آج سے دو سو برس پہلے

نادر شاہی قتل عام کے وقت کی

پرانی دہلی کے حالات

جس میں مشائخ۔ علماء۔ امراء۔ شعراء۔ ارباب نشاط اور شہر یوں کا تذکرہ ہے

از نواب درگاہ قلی خاں بہادر جدِ اعلےٰ نواب سالار جنگ بہادر مرحوم

جسکو

فارسی زبان سے حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے ترجمہ کراکے

۱۹۳۳ء میں
شائع کیا تھا

اب اگست ۱۹۴۹ء میں دوسری بار شائع کیا گیا ہے

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

دو سو برس پہلے کی تاریخ

نادر شاہی قتل عام کی دہلی

کے حالات

شروع بنام اللہ مالک الملک

بعد حمد اور درود کے حسن نظامی دہلوی عرض کرتا ہے کہ دو سو برس کی پُرانی دہلی کے حالات اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئے تھے اب اگست ۱۹۴۹ء میں ان کو دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ حسن نظامی

طبع اول کا دیباچہ

یہ کتاب میرے روزنامچے میں قسط وار شائع ہوئی تھی اور روزنامچے کے ناظرین نے اس کتاب کو بے حد دلچسپی سے پڑھا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نواب درگاہ قلی خاں بہادر مرحوم نے دو سو برس پہلے اس کتاب کو ایسے طریق سے لکھا تھا جو آج کل کے زمانے میں تو عام طور سے مروج ہے مگر نواب صاحب کے زمانے میں اس قسم کے طرز تحریر کا رواج نہ تھا۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء

حسن نظامی

نادر شاہی قتل عام کی دہلی کے حالات کا دوسرا دیباچہ

اکتوبر ۱۹۳۲ء میں یہ کتاب پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ اب ۱۶ برس کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جاتا ہے۔ پہلا ایڈیشن اس سائز سے دوگنا بڑا تھا۔ اب سائز اس لئے بدلا گیا ہے کہ میری سب کتابیں اسی سائز پر رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہیں۔

نواب درگاہ قلی خاں بہادر مرحوم نے نادر شاہی قتل عام کے فوراً بعد یہ کتاب فارسی میں لکھی تھی۔ اور میں نے ان کی اولاد نواب یوسف علی سالار جنگ بہادر سے یہ کتاب لے کر ترجمہ کرائی تھی۔ مگر ۱۶ برس میں وہ انقلاب ہوا کہ میرے وہ سب نوٹ جو میں نے نواب صاحب کی تحریروں پر وضاحت کے لئے لکھے تھے بدل گئے۔ کیونکہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں نے ہندوستان کو آزاد کیا اور مغربی پنجاب اور سندھ اور بلوچستان اور مشرقی بنگال پاکستان کے نام سے مسلمانوں کو دیا اور بقیہ ہندوستان ہندوؤں کو دیا۔ اور اس تقسیم نے وہ آفت برپا کی کہ پاکستان سے پچاس لاکھ ہندو اور سکھ جلا وطن ہو کر ہندوستان میں آ گئے۔ اور ستر لاکھ مسلمان ہندوستان سے پاکستان میں چلے گئے۔ لیکن یہ آنا اور یہ جانا اگر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ گزشتہ زمانے میں میلوں اور عرسوں اور تیرتھ یاترا دن کے لئے ہوا کرتا تھا تو ایک معمولی بات ہوتی مگر حالت یہ ہوئی کہ دونوں ملکوں کے لاکھوں آدمی مارے گئے۔ لوٹے گئے اور ان کے گھر جلائے گئے۔ لاکھوں عورتوں کو بے آبرو کیا گیا۔ معصوم بچوں کو قتل کیا گیا۔ مذہبی مقامات برباد کئے گئے۔ میں مذکورہ انقلاب کے وقت دہلی میں تھا۔ مگر اکیلا تھا کیونکہ میرے بیوی بچے حیدرآباد میں تھے اس انقلابی مصیبت کے آخر میں دہلی سے حیدرآباد گیا اور وہاں ایک سال آٹھ مہینے بیوی بچوں کے ساتھ دربدر مارا مارا پھرتا رہا یعنی سات مکان بدلنے پڑے کیونکہ وہاں بھی انقلاب ہوا اور سب کچھ بدل گیا۔

اب میں یکم جون ۱۹۴۹ء کو بیوی بچوں کے ساتھ دہلی میں آگیا ہوں اور اپنی زیر تصنیفات کو درست کرا رہا ہوں۔ ۷۰ برس کی عمر ہے۔ آنکھوں سے معذور رہوں۔ اور وقت کی حکومت نے مجھے تحریر و تقریر سے روک دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ پانچ آدمی سے زیادہ لوگوں سے نہ ملوں۔

میں نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا قلم بند کر دیا ہے لیکن امید نہیں ہے کہ وہ شائع ہو سکے۔ کیونکہ ہندوستان اور پاکستان کی دونوں حکومتیں مجھ سے خفا ہیں اور دونوں مجھ سے بدگمان ہیں۔ اس لئے میں نے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن تیار تو کر لیا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ یہ شائع ہو سکے گا یا نہیں۔

نواب سالار جنگ کی وفات

نواب درگاہ قلی خاں کے جانشین نواب سالار جنگ نے میرے قیام حیدرآباد کے ایام میں حیدرآباد کا انقلاب دیکھنے کے بعد وفات پائی اور چونکہ ان کے اولاد نہ تھی اس لئے ان کی نایاب کتابوں کی بابت مجھے بہت زیادہ فکر ہے کہ وہ رہتی ہیں یا نیست و نابود ہو جاتی ہیں۔

دہلی نامہ

میں نے نظامی بنسری کے نام سے سات سو برس پہلے کا دہلی نامہ شائع کیا تھا۔ اور نواب درگاہ خاں کا یہ دہلی نامہ شائع کرکے سرسید مرحوم کا دہلی نامہ شائع کیا تھا اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب دہلی کے ۱۵ حصے شائع کرکے خوش تھا کہ میں نے وہ حالات شائع کر دیئے جن کا زبانی ذکر کرنا بھی انگریزی حکومت کو گوارا نہ تھا۔ اب نہیں معلوم کہ ۱۹۴۷ء کا دہلی نامہ میرے قلم کا لکھا ہوا شائع ہو سکیگا یا نہیں کیونکہ میری زندگی چراغ سحری ہے۔ اور گرد و پیش کے حالات ویسے ہی ہیں جیسے دنیا کے خاص گروہوں کے بادشاہوں کے انقلاب کے وقت اہل قلم اور اہل علم کو پیش آیا کرتے ہیں تاہم امید ہے اگر میرے قلمی مسودے محفوظ رہ سکے تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ان کو شائع کر دیگا۔ آج نہیں تو کل۔ کل نہیں تو پرسوں۔ حسن نظامی حجرہ قدیم سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیا محبوب الہی دہلی۔ ۲۲ رمضان ۱۳۶۸ھ ۲۰ جولائی ۱۹۴۹ء یوم چہار شنبہ

نواب درگاہ قلی خاں بہادر کی فارسی کتاب کا ترجمہ

نظام الملک آصف جاہ اول کے ہمراہ جب نواب[1] درگاہ قلی خاں ۱۱۵۱ھ میں دہلی تشریف لائے تو گو اُس وقت دہلی کی رونق ختم ہو چکی تھی اور ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف مرہٹوں نے محمد شاہ رنگیلے کی حکومت کو پریشان کر رکھا تھا اور دوسری طرف نادر شاہ افشار ایرانی کی یلغار نے دہلی کا شباب لوٹ لیا تھا محفلیں افسردہ اور مجلسیں خاموش ہو چکی تھیں لیکن دہلی پھر بھی شاہان مغلیہ کی دہلی تھی۔

نواب درگاہ قلی خاں بہادر نے اس دور میں دہلی کو جیسا کچھ دیکھا، وہ ایک یادداشت کی صورت میں محفوظ کر لیا تھا۔ یہ اسی یادداشت کا ترجمہ ہے۔

اس مضمون[2] کو سامنے رکھ کر دو سو برس پہلے کی لُٹی ہوئی دہلی اور آجکل کی ترقی یافتہ دہلی کا موازنہ فرمائیے اور اندازہ کیجیے کہ نادر شاہ کے قتل عام کے بعد بھی دہلی کی وہ شان تھی جو آجکل ایک افسانہ معلوم ہوتی ہے۔ (حسن نظامی)

---

[1] نواب درگاہ قلی خاں بہادر موجودہ نواب سالار جنگ بہادر کے جدِ اعلیٰ تھے۔ اور یہ قلمی کتاب موجودہ نواب یوسف علی خاں سالار جنگ بہادر نے نہایت نفاست کے ساتھ باتصویر فارسی زبان میں چھپوا دی ہے۔ ۱۲ حسن نظامی

[2] اس کتاب کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس وقت یہ کتاب لکھی گئی نادر شاہ ایرانی کا واقعہ اور دہلی کا قتل عام بالکل تازہ تھا اور جس وقت آصف جاہ اول سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی میں نادر شاہ کے پاس قتل عام بند کرانے کے لئے گئے تھے تو نواب درگاہ قلی خاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ مگر نواب صاحب نے قتل عام اور نادر شاہ کی لوٹ مار کے واقعات کی تفصیل غالباً سیاسی مصلحت سے نہیں لکھی لیکن غور طلب یہ معاملہ ہے کہ اتنے بڑے تاریخی قتل عام کے بعد [دوسرے صفحہ]

زیارات اور مزارات

قدم شریف } یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت سرور کائنات کے قدم شریف کا نشان ہے یہ مقام نہ صرف دہلی کے باشندوں کے لئے متبرک ہے بلکہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی تمناؤں کا مرکز ہے یہاں کی خاک اہلِ بصیرت کے لئے سرمۂ چشم اور یہاں کا غبارِ راہ اہلِ فطرت کے لئے سرمایۂ تسکین و راحت ہے۔ یہاں کے در و دیوار زائرین کے سجدوں سے ہر وقت چمکتے رہتے ہیں۔ عجیب پر اثر جگہ ہے جہاں خلقت ہر وقت سلام درود اور تعظیم میں مصروف نظر آتی ہے۔ اور قدم شریف پر یہ شعر کندہ ہے۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سال سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

جمعرات کے دن دہلی اور گرد و نواح اور دور دور کے باشندے "قدم شریف" کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ درگاہ کا صحن خلقت سے بالکل بھر جاتا ہے۔ اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ لوگوں کے لئے آسانی سے قدم شریف کی زیارت کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ تمام سال ہر جمعرات کو خلقت کا یہی حال ہوتا ہے۔ ربیع الاول کے مہینے میں خصوصیت سے اطراف و اکناف ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان سے مشتاقانِ زیارت آتے ہیں، اور اس کثرت سے آتے ہیں کہ قدم شریف کے آس پاس کے میدانوں میں آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ بڑی مشکل سے لوگوں کو قدم پاک کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ ذرا دیکھئے لوگ کس کس شوق سے آتے ہیں۔ کوئی بیمار ہے جو تندرستی کا ارمان لے کر آیا ہے۔ اور قدم پاک کی مٹی آنکھوں میں مل رہا ہے۔ کوئی قدم پاک کے قریب کھڑا ہوا رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے۔ کسی کی

(نوٹ متعلقہ صفحہ گزشتہ) جس میں تین لاکھ دہلی والے قتل ہو گئے تھے دہلی کی عیاشیاں اور بداعمالیاں کم نہ ہوئی تھیں اور یہ محض دہلی کی خصوصیت ہے۔ چنانچہ غدر ۱۸۵۷ء میں بھی گولہ باری کے وقت دہلی کے باشندوں نے عیش و تفریح کو نہیں چھوڑا تھا۔ ۱۲ حسن نظامی

مُراد دنیا ہے۔ کسی کی مراد آخرت ہے۔ اور کسی کے دل میں بال بچّوں کی مُرادیں ہیں اور یہ سب دین و دنیا کے مولا کے نقشِ کفِ پا کے سامنے خدا سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں اور سب خوش ہو ہو کر واپس ہو رہے ہیں گویا اُن کی مُنھ مانگی مرادیں پوری کر دی گئیں دولتمند لوگوں نے اطراف قدم شریف میں سعادت و برکت حاصل کرنے کی غرض سے بڑی بڑی رقموں پر زمینیں خرید رکھی ہیں۔ جن پر عالی شان مکانات تعمیر کروائے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان مکانات میں آکر رہتے ہیں اور بہت سے خدا ترس لوگوں نے آس پاس اپنے مقبرے تعمیر کرائے ہیں تاکہ مرنے کے بعد قدیم شریف کے جوار میں دفن کیے جائیں اور روزِ حشر تک اس کے سائے میں رہیں۔ اور قدم پاک کے طفیل میں راحت جاودانی پائیں۔ چنانچہ قدم پاک کے اطراف میں بے شمار مقبرے ہیں۔ لیکن جو غریب مقبرے تعمیر نہیں کروا سکے ان کی بھی قبریں ہیں اور اس قدر ہیں کہ شمار کی حد سے باہر۔

جس زمانے میں قدم پاک کا عرس ہوتا ہے تو بس ساری دہلی قدم شریف میں اُلٹ پڑتی ہے۔ خلقت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ آس پاس کہیں تل دھرنے کو بھی جگہ نہیں ملتی۔ جو لوگ قدم پاک کو قریب سے دیکھنا چاہتے ہیں وہ بہت سویرے زیارت کے لیئے جاتے ہیں۔

عرس کے دنوں میں دولتمند لوگ خیرات اور نذر و نیاز بہت کرتے ہیں فقیروں اور غریبوں کو کپڑے، کھانے پینے کی چیزیں اور نقد روپے تقسیم کیئے جاتے ہیں اکثر فقیر لوگ قدم شریف کی خیرات سے مہینوں تک گزارہ کرتے ہیں اور ان کے پاس کافی عرصے تک کے لئے کھانے اور پہننے کا سامان ہو جاتا ہے۔

قدم شریف کے احاطہ کا حوض شفا بخشی میں مشہور ہے۔ تمام زائرین حوض شریف کے پانی کو پیتے، آنکھوں سے ملتے اور بطور تبرک عزیز و اقربا کے لئے اپنے گھر لے جاتے ہیں اور مشہور ہے کہ جو بیمار اس حوض کے پانی سے نہاتا ہے وہ تندرست

ہو جاتا ہے۔ سبحان اللہ عجیب پر اثر مقام ہے۔ بس انوار خداوندی کی چاروں طرف بارش ہو رہی ہے [۱]

قدم گاہ حضرت علیؑ کی قلعۂ شاہی سے تین کوس کے فاصلے پر ہے[۲] شنبہ کے دن لوگ فیض حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں اور سلام

---

[۱] یہ قدم شریف سلطان فیروز شاہ تغلق کے لڑکے شہزادے فتح خاں کی قبر کی چھاتی پر نصب ہے اور اب بھی یہاں دہلی کے باشندے دفن ہوتے ہیں اور ۱۲ ربیع الاول کو بہت بڑا میلہ ہوتا ہے اور فراشخانہ والے قادری مشائخ یہاں کی مجلس کا بندوبست کرتے ہیں لیکن پہلی سی چہل پہل اب یہاں نہیں رہی کیونکہ دہلی کے مسلمانوں کا بڑا حصہ وہابی ہو گیا ہے جو قدم شریف کو نہیں مانتا۔ حسن نظامی

[۲] حضرت علیؑ کا یہ قدم درگاہِ شاہِ مرداں میں ہے جو مقبرۂ صفدر جنگ کے قریب موضع علی گنج کے نام سے واقع ہے۔ مگر اب یہاں آبادی نہیں رہی۔ نئی دہلی کی تعمیر کے سبب یہ گاؤں سرکار نے خالی کرا لیا۔ اور اس کی فصیل کے باہر ہوائی جہاز کا مرکز بنایا گیا ہے۔

اس مقام پر محرم کے مہینے میں تعزیے بھی دفن ہوتے ہیں اور یہ جگہ دہلی کی کربلا مانی جاتی ہے اس کی چار دیواری یعنی فصیل بہت پختہ اور شاندار ہے اور اس کا دروازہ بھی نہایت عظیم الشان ہے۔ جس پر سنگِ مرمر کی تختی لگی ہوئی ہے اور اس پر تاریخ کندہ ہے۔ اور درگاہ کے اندر بہت سے شکستہ مقبرے اور مکانات ہیں۔ اور عارف علی شاہ چشتی کی گمبی بندگ کا گنبد بھی ہے جس کو عوام چیٹے بٹے کی درگاہ کہتے ہیں اور جہاں بچوں کی منت کے لئے عورتیں بچوں کے کھلونے نذر کرتی ہیں۔ اس درگاہ کے پہلو میں قدم مبارک کی درگاہ ہے۔ یہ قدم سنگِ مرمر کے خوبصورت حوض میں ہے جس کے اطراف میں مرمر کا فرش ہے اور شیعہ [illegible] کی صدہا قبریں ہیں جن میں دہلی کے بڑے بڑے شیعہ امرا دفن ہیں۔ شہنشاہ جہانگیر کو قید کرنے والا سپہ سالار مہابت خاں بھی اسی مقام پر دفن ہے جس کی قبر نابود ہونے کے قریب آ گئی ہے یعنی بہت شکستہ ہے۔ اور اب بھی قدم مبارک کے پاس ایک مجلس خانہ موجود ہے جہاں چہلم کی بیسویں کو ساری رات مجلس ہوتی ہے اور دہلی کے شیعہ جمع ہوتے ہیں

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔ یہاں بھی ہر طرف سے مشتاقانِ زیارت آتے ہیں اور اپنی دلی آرزوں کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ نذریں چڑھاتے ہیں اور مشہور ہے کہ ہر شخص بامراد ہوتا ہے۔ ۱۲ محرم کو جو کہ حضرت خامس آلِ عبا کی زیارت کا دن ہے، اہلِ عزا اور راسخ الاعتقاد حضرات کا بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ اور زائرین اور حاجتمندوں کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ اہلِ عزا اور سب لوگ غمگین صورتوں، دردمند دلوں، اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ تعزیت ادا کرنے کی رسم پوری کرتے ہیں۔ اُس دن اہل دہلی میں کوئی بھی زیارت کی سعادت سے محروم نہیں رہتا۔ تمام چھوٹے بڑے راستے اور آس پاس کے سب مقامات سواریوں اور پیدل آنے جانے والوں سے بالکل بھر جاتے ہیں اور ایک زبردست میلہ لگ جاتا ہے۔ اہل حرفہ اپنی دوکانوں کی خوب آرائش کرتے ہیں۔ ہر قسم کے سامان کی کثرت سے دکانیں پُر ہوتی ہیں، اور اُس دن خلقت فراخدلی سے کام لیتی ہے۔ دکانداروں کی بکری بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ خاصہ نفع کما لیتے ہیں۔ قدم گاہ کے متصل ہی ایک چوکی خانہ ہے جہاں اہلِ ذوق اور صاحبانِ دل جمع ہوتے ہیں۔ اور بلند آواز سے منقبتِ اہلبیتؑ کرتے ہیں اور مرثیہ پڑھتے ہیں اور اہل بیتؑ کے حالات بیان کرتے ہیں۔ یہ مکان اذکار اہلبیتؑ کے لئے ہے اور یہاں کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اور آدھی رات کو ایک جنازہ بنایا جاتا ہے۔ نواب درگاہ قلی خاں جس زمانے میں دہلی آئے تھے شیعہ امرا کا زور ختم ہو چکا تھا۔ کیونکہ نواب عبداللہ خاں حسین علی خاں سادات بارہ مرچکے تھے جو بادشاہ گر مشہور تھے اور جن کے اشارے سے کئی بادشاہ قتل ہوئے تھے۔ اور جن کو محمد شاہ رنگیلے نے تخت نشین ہوتے ہی حکمت عملی سے ختم کرادیا تھا۔ اور اس کے بعد شیعوں کا اقتدار ختم ہو گیا تھا۔ تاہم شاہِ مرداں اور قدم حضرت مولےٰ کی کروفر باقی تھی جو آجکل محض ایک کہانی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ دہلی کے شیعوں نے اس مقام کو بڑی بے غوری میں ڈال رکھا ہے جس سے یہ جگہ آہستہ آہستہ مٹ رہی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد نیست و نابود ہو جانے کا اندیشہ ہے ۱۲

درگاہِ حضرت قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ[1] قلعۂ شاہی سے سات کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ مزارِ مبارک مسجد کے صحن میں کھلی ہوئی فضا میں ہے (یعنی مزار پر کوئی گنبد نہیں ہے) یہ مزار مقدس تمام ہندوستان کے لوگوں کا قبلہ گاہ ہے۔ حاجتمندوں اور تمنائیوں کی ہر وقت بھیڑ رہتی ہے۔ جب کوئی شخص باہر مزار کے حلقے میں آتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے۔ کہ وہ بہشت آ گیا ہے۔ یوں تو اہلِ بصیرت ہر وقت مزار پر انوارِ خداوندی کی بارش دیکھتے رہتے ہیں۔ لیکن جس نے صبح کے وقت مزار کی زیارت کی ہے اُس کے دل سے تجلیاتِ الٰہی اور کیف روحانی کی لذت پوچھو۔ مزارِ مبارک پر جو زائر آتا ہے وہ دل پر ایک خاص اثر لیکر جاتا ہے۔ جمعرات کے روز خصوصیت سے بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ عام طور سے لوگ رات کو دہلی سے چلتے ہیں اور صبح زیارت سے فارغ ہو کر اطراف کے باغات اور گرد و نواح کی تفریح گاہوں میں دن گزار دیتے ہیں۔ مزارِ اقدس کے اردگرد بہت سے مردانِ خدا کی قبریں ہیں جن کی بزرگی اور قدوسیت ہر زائر کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مزار شریف کے اِردگرد اور نواح میں اور بھی کئی متبرک مقامات ہیں جہاں زیارت کے لئے لوگ جاتے ہیں۔ مسجد اولیائ کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے اس

[1] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ سید معین الدین حسن سنجری اجمیریؒ کے خلیفہ اور جانشین تھے اور سماع کی حالت میں اس شعر کو سن کر اُن کا انتقال ہو گیا تھا۔ کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است۔ نواب صاحب کو مغالطہ ہوا۔ یہ مزار مسجد کے صحن میں نہیں ہے البتہ دیوار میں ایک محراب بنی ہوئی ہے جسکو دیکھکر نواب صاحب نے اس کو مسجد سمجھ لیا۔ یہ مزار کچا ہے۔ حضرت کے خلیفہ اور مرید حضرت کے خلیفہ اور مرید حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور ان کے خلیفہ اور مرید حضرت محبوب الٰہیؒ نے خود مٹی کی ٹوکریاں سر پر اُٹھا کر اس مزار پر ڈالی تھیں اور اب تک ان ٹوکریوں کے نشانات ہیں کیونکہ مٹی کو برابر نہیں کیا گیا تھا۔ یہ مزار بہت پُورا جہ کتا ہی۔ ۱۲ حسن نظامی

کی بنا رکھی تھی۔ جو شخص اس مسجد میں نماز پڑھتا ہے اس کو نماز کی حقیقی لذت معلوم ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ کبھی کبھی حضرت خضر علیہ السلام بھی یہاں تشریف لاتے ہیں الغرض یہ مقام زمین کا حصہ نہیں بلکہ رشکِ روضۂ رضواں ہے۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور ایک بادشاہ کی قبر بھی حضرت کے جوار میں ہے[۱]

ربیع الاول کے مہینہ میں عرس ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں تقریباً تمام اہل دہلی دو روز کے لئے درگاہ میں چلے آتے ہیں۔ زیارتیں کرتے۔ مرادیں مانگتے نذریں چڑھاتے اور بعد میں خوب سیریں کرتے ہیں۔ قریب ہی چشمے۔ حوض۔ جھروکے اور باغات ہیں۔ ہر زمانے میں اور خاصکر عرس کے زمانے میں دور دور سے قوال آتے ہیں جو کافی فاصلے سے قبر مبارک کی طرف منھ کرکے کبھی کھڑے اور کبھی بیٹھے گاتے ہیں اور لوگوں کو حال میں لاتے ہیں شاہ شہید فرخ سیر نے مزار کے ایک طرف سنگ مرمر کی جالی کی دیوار کھڑی کردی ہے جو اپنی نزاکت، خوبصورتی اور شفافی میں بے نظیر ہے۔

سلطان شمس الدین غازیؒ[۲] مزار مبارک حضرت بختیار کاکیؒ کے اطراف میں ہے اگرچہ حضرت بادشاہِ وقت تھے اور بادشاہ کو دنیا وی

---

[۱] حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار حضرت خواجہ کے پائین بلند چبوترے پر ہے مگر وہاں کسی بادشاہ کی قبر نہیں ہے ۱۲ حسن نظامی

[۲] سلطان شمس الدین غازی نام غلط معلوم ہوتا ہے۔ صحیح نام سلطان ناصر الدین غازی ہے کیونکہ یہ مزار ایک غار کے اندر ہے۔ سلطان ناصر الدین خاندان غلامان کے بڑے عابد اور دیندار بادشاہ گزرے ہیں اور ان کا مزار درگاہ حضرت قطب صاحب سے ڈیڑھ میل باہر جنگل میں واقع ہے جہاں ہر سال اب بھی عرس ہوتا ہے اور تعجب یہ ہے کہ وہابی بھی اس عرس میں جاتے ہیں۔ چند سال ہوئے غالی غیر مقلدوں نے رات کے وقت اس مزار کو توڑ ڈالا تھا اور غار کے اندر بہت سے مزار ہیں۔

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

دھندوں سے ہی فراغت نہیں ملتی لیکن حضرت غازیؒ دنیادار بادشاہوں میں نہ تھے۔ آپ کو ارباب ذوق اور بزرگان دین کی صحبتوں سے فیض حاصل ہوا تھا اور ایک دردمند دل ملا تھا جس نے آپ کو محبت الٰہی سے معمور کر دیا تھا۔ حضرت بہت صاحب کمال بزرگ بادشاہ تھے۔ مزار مبارک بہت خوبصورت اور سرسبز و شاداب مقام پر ہے۔ برسات کے موسم میں مزار کے اردگرد چاروں طرف ہری ہری گھاس کا ایک جنگل ہو جاتا ہے اور آب و ہوا اور فضا کشمیر کی طرح ہو جاتی ہے۔ کچھ موسم کی رنگینی اور مقام کی نزہت بخشی نے اور کچھ مزار کے روحانی اثرات نے مل جل کر اس مقام کو اتنا پُراثر اور اثر اور پُر انوار بنا دیا ہے جس کا تعلق دیکھنے سے ہے بیان کرنے سے نہیں اہل دہلی برسات کے موسم میں زیارت کے لئے آتے ہیں اور زیارت کے سلسلہ میں برسات کا لُطف بھی اُٹھاتے ہیں۔ اِس موقع پر اہل دہلی کی رنگینی اور دلچسپیاں دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہیؓ کا مزار مُبارک پُرانی دہلی[ل] سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے یہ وہ روضۂ پر انوار ہے جہاں بادشاہانِ وقت حاضری دینا سعادت سمجھتے رہے اور جہاں بڑے بڑے خاقان عالم سجدہ کرنا باعث فخر خیال کرتے ہیں مزارِ مبارک کی در و دیوار سے ہر وقت انوارِ الٰہی کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ بڑے بڑے مغرور سر محبوب الٰہیؓ کی محبوب درگاہ میں بے اختیار جھک جاتے ہیں۔ مزار کا خطۂ پاک کیا ہے فردوس بریں کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ وہ پر رعب

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کم و بیش سب کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور میں خود یہ موقع دیکھنے گیا تھا اور مزار کی مرمت اور شریروں کی شرارت کا سدباب کرایا گیا تھا۔ واقعی اس مزار کے اطراف میں پہاڑیاں اور بہت سرسبز جنگل اور قابل دید نظارہ ہے ۱۲ (مسمار ہو گیا حسن نظامی)

ل سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؓ کا مزار شاہجہاں کی دہلی سے ۳ میل انگریزوں کی دہلی سے ایک میل اور پُرانی دہلی سے یعنی تغلق آباد سے ۱ میل دور ہے۔ ۱۲

وسطوت مقام ہے جہاں بڑے بڑے بولنے والوں کی زبانیں گنگ اور آنکھیں کھُلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ہر چہار شنبے[1] کو دہلی کے تمام عوام و خواص زیارت کے لئے آتے ہیں اور قوال بڑے ادب و احترام کے ساتھ کھڑے ہو کر گاتے ہیں۔ یوں تو سال کے تمام دنوں اور تمام چہار شنبوں میں زائرین آتے رہتے ہیں لیکن صفر کے آخری چہار شنبے میں دہلی اور اطراف اور تمام ہندوستان سے اس کثرت سے لوگ آتے ہیں کہ ہر طرف درگاہ مقدس میں آدمیوں کا سیلاب نظر آتا ہے دہلی کے لوگ خوبصورت اور رنگین کپڑے پہن کر اور خوب آراستہ پیراستہ ہو کر آتے ہیں اور زیارت کرنے کے بعد اطراف کے باغات[2] میں تفریح کرنے چلے جاتے ہیں۔ دکاندار اپنی دُکانوں کو خوب سجاتے ہیں اور خوب نفع کماتے ہیں۔ ہر طرف مطربان خوش الحان اور قوال اور رقاص اپنے فن کی نمائش میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ربیع الاول[3] کے مہینے میں عرس ہوتا ہے۔ عرس کے دنوں میں کہیں ذرا سی جگہ خالی نظر نہیں آتی شہر اور بیرون شہر کے لوگوں کے خیمے ہر طرف لگ جاتے ہیں اور رات دن قوال گاتے بجاتے رہتے ہیں۔ مشائخ صوفیہ اور اہل حال کا وجد و حال دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ مزار کے ارد گرد کچھ لوگ قرآن پاک کی

[1] میرے بچپن تک دہلی کے زائرین بدھ کو آیا کرتے تھے بلکہ ہندو بھی بدھ کو آتے تھے۔ مگر اب جمعرات کو آتے ہیں بدھ کو لوگ بھول گئے ہیں سوائے چند خاص واقف کار لوگوں کے باقی سب زائرین جمعرات کو آتے ہیں اور چاند کی پہلی جمعرات کو دس بارہ ہزار زائرین جمع ہو جاتے ہیں۔ چونکہ حضرت محبوب الٰہیؒ بدھ کو پیدا ہوئے۔ بُدھ کو مکتب میں بیٹھے۔ بُدھ کو فارغ التحصیل ہوئے۔ بدھ کو مرید ہوئے۔ بدھ کو خلافت ملی۔ بدھ کو دہلی میں خلافت لیکر آئے اور بدھ کو انتقال ہوا۔ اسلئے درگاہ میں بدھ کا دن بہت مقبول سمجھا جاتا تھا اور اس دن کو ہزاروں زائر جمع ہوتے تھے مگر لوگ بدھ کی خصوصیت کو بھولتے جاتے ہیں۔ ۱۲ حسن نظامی

[2] درگاہ کے اطراف میں جس قدر باغ تھے اب وہ سب ویران ہو گئے اور ایک بھی باقی نہیں رہا البتہ بعض کی چار دیواریاں شکستہ پڑی ہیں۔ ۱۲ ح

[3] عرس ربیع الثانی کی ۱۷-۱۸ کو ہوتا ہے۔ ربیع الاول غلطی سے لکھا گیا ہے ۱۲ حسن نظامی

تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور کچھ لوگ مراقبے میں مستغرق اور زیادہ لوگ فاتحہ پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ عرس کے دنوں میں اور صفر کے آخری چار شنبے کو مزار کے اندر و باہر ہر طرف شور ہوتا بلند رہتا ہے اور خلقت کی کثرت کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ مزار مبارک پر صبح کی نماز پڑھنے میں عجیب لطف محسوس ہوتا ہے (صفر کا آخری چہار شنبہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی پیدائش کا دن ہے اور تمام ہندوستان میں منایا جاتا ہے)

حضرت امیر خسروؒ[1] مزار مبارک حضرت محبوب الٰہیؒ کے پائین ہے اور چند گز کے فاصلے پر ہے۔ حضرت کا عرس بھی بہت شان و اہتمام سے ہوتا ہے۔ درگاہ والوں نے حضرت امیر خسروؒ کے مزار کے قریب مکانات بنوائے ہیں۔ اور مزار کی نذر و نیاز پر ہی ان کا گزارہ ہوتا ہے۔ سبحان اللہ وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جن کے مکانات ایسے بزرگوں کے مزارات کے قریب ہیں کیونکہ ہر وقت وہ زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور ان پر انوار خداوندی کا فیضان ہر وقت رہتا ہے۔

حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ[2] مزار مبارک پرانی دہلی سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ یہ مزار مقدس نہ صرف اہل دہلی کا چراغ ہے بلکہ تمام ہندوستان کے لئے چشم و چراغ ہے۔ انتہائی پر انوار جگہ ہے، بہشت کا سا اطمینان اور جنت کا سا سکون حاصل ہوتا ہے (درگاہ محبوب الٰہیؒ سے تین کوس کے فاصلے پر جنگل میں واقع ہے)

---

[1] حضرت امیر خسروؒ کے مزار کے پائین میرے اجداد کے مکانات تھے اور اب میں نے بھی اسی جگہ نئی عمارتیں بنوائی ہیں اور میں خود اپنے اہل و عیال کے ساتھ اسی جگہ رہتا ہوں۔ ان عمارتوں کے نام ایمان خانہ۔ حسین خانہ۔ عمر منزل۔ توحید منزل۔ واحدی منزل۔ زید منزل۔ عربی منزل حبیب منزل وغیرہ ہیں ۱۲ حسن نظامی

[2] حضرت چراغ دہلیؒ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید و خلیفۂ اعظم تھے ۱۲ حسن نظامی

مزار مبارک کی بے شمار کرامتیں مشہور ہیں یک شنبے کے روز دہلی والے زیارت کے لئے آتے ہیں۔ خاص طور سے دیوالی[1] کے مہینے کے پہلے یک شنبے کو مزار پر بہت ہجوم ہوتا ہے اور دہلی کا ہر باشندہ کوشش کرتا ہے کہ وہ مزار مبارک کی زیارت سے سرفراز ہو۔

مسلمان اور ہندو ہر مذہب و ملت کے لوگ یکساں مزار پر آتے اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اس مزار کے قریب ایک خوبصورت چشمہ ہے جس کے آس پاس کی جگہ خوبصورتی اور دلربائی میں مشہور رہی ہے۔ سب اہل دہلی اس چشمے کے ارد گرد خیمے گاڑتے اور ڈیرے ڈالتے ہیں اور اس چشمے کے پانی سے غسل کرنا مفید سمجھتے ہیں[2]۔ واقعتاً اس چشمے کا پانی جلدی امراض کے لئے اکسیر ہے جتنے بیمار بھی اس پانی سے غسل کرتے ہیں سب شفایاب ہوتے ہیں۔ اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ بڑی بڑی دور سے بیمار حضرت چراغ دہلی کے مزار پر زیارت کے لئے آتے اور چشمے کے پانی سے غسل کرنے کے بعد تندرست ہو جاتے ہیں۔ عرس کے زمانے میں اہل دہلی صبح کے وقت آتے ہیں اور مختلف ٹولیوں میں ہو کر باغوں، سایہ دار درختوں اور دیواروں کے پہلو میں اپنے خیمے لگا دیتے ہیں۔ اور دن بھر ناچ رنگ ہنسی خوشی میں بسر کرتے ہیں۔ جدھر دیکھئے خوش فعلیاں ہو رہی ہیں۔ پکھاوج، ڈھولک اور مختلف قسم کے باجے بج رہے ہیں۔ بس ہر طرف سیر و تفریح کے نظارے دیکھنے میں آتے ہیں۔

محمد شاہ بادشاہ نے مزار مبارک کے اطراف میں ایک پختہ احاطہ اور ایک وسیع صحن بنوا دیا ہے۔ ایسا خوبصورت اور وسیع صحن دہلی کی کسی درگاہ میں نہیں ہے۔

---

[1] دیوالی کے مہینے میں لوگوں کا جمع ہونا پہلے ہوگا۔ اب نہیں ہے۔ عرس رمضان کی ۱۷۔۱۸ تاریخ کو ہوتا ہے۔ ۱۲ حسن نظامی

[2] چراغ دہلی کے قریب موضع کھڑکی میں یہ چشمہ تھا۔ میرے بچپن تک اس میں مریض نہانے جایا کرتے تھے۔ اب چشمہ خشک ہو گیا، اور کوئی وہاں نہیں جاتا۔ ۱۲

حسن نظامی

حضرت شاہ ترکمان بیابانی رضؒ[1] مشہور ہے کہ حضرت شاہ ترکمان حضرت بختیار کاکی رضؒ کے معاصر تھے اور جس وقت کہ دہلی کی تعمیر بھی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ترکمانؒ جنگل میں رہتے تھے، اور جہاں آپ کا قیام تھا وہیں آپ کا مزار شریف ہے، جو شاہجہاں آباد میں واقع ہے۔ آپ کے خوارق عادات اور آپ کی کرامتوں کے متعلق دہلی کے سب عوام و خواص کو اتفاق ہے۔ رجب کی ۲۳ تاریخ کو عرس ہوتا ہے۔ سب دہلی والے شریک ہوتے اور مزار پر پھول چڑھاتے ہیں اور چراغاں کرتے ہیں اور مرادیں مانگتے اور نذریں لاتے ہیں۔ تمام اہل دہلی کو مزار مبارک سے خاص عقیدت ہے اور وہ اپنی تمام مشکلات میں حضرت شاہ ترکمان کا دامن پکڑتے ہیں اور اپنے کو حد سے زیادہ راسخ الاعتقاد بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رضؒ[2] مزارِ مُبارک بہت پُر انوار اور پُر عظمت ہے۔ در و دیوار سے بیخودی اور روحانیت ٹپکتی ہے۔ اگر دہلی میں حقیقتاً کوئی جگہ جنت کہلانے کی مستحق ہے تو وہ صرف حضرت کا مزار ہی ہے۔ کیونکہ یہاں ہر مضطرب دل کے لئے سکون اور ہر بیچین انسان کے لئے اطمینان ہے۔

جب دہلی کی جھلستی ہوئی گرمی کا شباب ہوتا ہے اور جب در و دیوار اور مکان و میدان اور زمین و آسمان سب تپتے ہیں تو اس مزار مُبارک کے صحن میں گرمی کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ گویا اس احاطہ میں گرمی کا موسم ہی نہیں ہے ٹھیک دوپہر کی لُو کے وقت جب کوئی زائر باہر سے اندر داخل ہوتا ہے تو وہ صحن ہی میں محسوس کرتا ہے کہ جہنم سے بہشت میں چلا آیا

---

[1] یہ مزار اور درگاہ اب بھی موجود ہے اور دہلی کا ایک دروازہ حضرت کے نام پر ترکمان دروازہ کہلاتا ہے۔ ۱۲ حسن نظامی

[2] یہ درگاہ اور مزار اب تک اُسی شان و عظمت سے قائم ہے۔ حضرت خواجہؒ حضرت مجدد صاحب رحم سرہندی کے پیر تھے اور نقشبندیہ سلسلے کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ ۱۲ حسن نظامی

یہ صحن برف کی مانند ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اس مزار کی یہ کرامت بالکل مسلمات میں ہے، اسی لئے اہل دہلی یہ کوشش کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے پہلو میں جگہ ملے اس مقصد کے لئے امیر لوگ گرانبہا رقموں میں زمینیں خریدتے ہیں دہلی والوں کا خیال ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا قرب جنت میں جانے کی دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت کے ہمسائے جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں۔

حضرت شاہ حسن رسول نماؒ جو لوگ حضرت خواجہ سید رسول نماؒ کے ساتھ صدق دل سے محبت رکھتے ہیں اور نیکی اور پاکبازی کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ حضرت رسول نما کے واسطہ جناب سرور کائناتؐ کا دیدار کرلیتے ہیں۔ خلوص نیت کے ساتھ جو شخص بھی حضرت کی درگاہ میں سوال کرتا ہے وہ اکثر بامراد ہو جاتا ہے۔ ۲۱ شعبان کو عرس ہوتا ہے۔ اُس دن اہل دہلی مزین اور مرصع ہو کر اس عرس میں آتے ہیں اور دہلی کے نقال بھی آتے ہیں جو شام تک مُجرا کرتے ہیں۔ درگاہ کے باہر سیر و تفریح کا اچھا خاصہ سماں بندھ جاتا ہے (اب[1] انقلاب کے اثر میں ہے)

شاہ بایزید اللہؒ[2] حضرت کے مزار سے پاک مشربی ظاہر ہوتی ہے اور ہر زائر پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ عرس کے موقع پر مجلس کی رنگینی ایک خاص لطف پیدا کر دیتی ہے۔

شاہ عزیز اللہؒ[3] حضرت کا مزار مبارک پرانی دہلی کے ایک بڑے مکان میں واقع ہے۔ بہت صاحب کرامت بزرگ تھے۔ مزار سے بھی بزرگی اور

---

[1] اب بھی یہ درگاہ آباد و قائم ہے حکیم محمد اجمل خاں اور ان کے اجداد و خاندان کی قبریں بھی اسی درگاہ میں ہیں اور دہلی کے نقال اور بھانڈ بھی اب تک ان کو مانتے ہیں اور ہر جگہ ناچ مجرے کے وقت پہلے حضرت کا نام لیکر اپنے کان پکڑتے ہیں مگر اس عقیدے کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ [2] اس مزار کا نام و نشان باوجود تلاش کے آجکل معلوم نہ ہو سکا۔ حسن نظامی [3] ان کا مزار بھی اب مشہور نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کہاں تھا
حسن نظامی

کرامت کے آثار ہویدا ہیں۔ حاجت مند لوگ مزار پر جاتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ مشہور ہے کہ کوئی شخص کبھی ناکام نہیں جاتا۔ عرس کے موقع پر سماع کی مجلس بہت شاندار ہوتی ہے اور خلقت بھی کثرت سے آتی ہے۔

مرزا بیدل[۱] حضرت رضی کا مزار پرانی دہلی میں ہے۔ صفر کے مہینے میں عرس ہوتا ہے۔ حضرت بیدل رضی کے تمام شاگرد اور دہلی کے سب خوش عقیدہ لوگ مزار پر آتے ہیں۔ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اور حضرت رضی کی روح کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ عرس کے دن حضرت کے مزار کے ارد گرد حضرت رضی کے شاگردوں اور معتقدین خاص کا ایک حلقہ بیٹھتا ہے جو دیوان بیدل کھولکر شعر خوانی کرتا ہے سب سے پہلے یہ رُباعی پڑھی جاتی ہے:۔

اے آئینہ طبع تو ارشاد پذیر ۔۔۔ در کسب فوائد نمو اے تقصیر

مجموعہ فکر ما صلائے عام است ۔۔۔ سیری کن و برہمت تسلّی برگیر

اس کے بعد حسب استعداد تمام حاضرین اپنے نتائج افکار سُناتے ہیں اور بعض حضرات بیدل رضی کے کلام پر تضمین کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب مجلس برخاست ہوتی ہے تو حضرت بیدل رضی کے برادر زادے جناب محمد سعید حاضران مجلس کی خاطر و تواضع کرتے ہیں اور حضرت بیدل رضی کی نشانیوں اور تبرکات کی سب کو زیارت کراتے ہیں۔

عرس خلد منزل[۲] خُلد منزل مزار حضرت قطب الاقطاب رح کے جوار میں ہے۔ محرم الحرام کے مہینے کے آخری دنوں میں عرس ہوتا ہے۔ حضرت خلد منزل کی

---

[۱] میرزا بیدل کا مزار حضور نظام نے دو ہزار روپے کے خرچ سے میری تحریک سے بنوا دیا تھا۔ حسن نظامی

[۲] خلد منزل سے مراد فرخ سیر بادشاہ ہے جس کی قبر درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب میں ہے اس عرس کے حالات میں بعض نامناسب الفاظ میں نے خارج کر دیئے ہیں افسوس ہے کہ نادر شاہ کی لوٹ اور قتل عام کے بعد بھی دہلی والوں کی سیہ کاریاں کم نہ ہوئی تھیں اور وہ ایسے متبرک مقام پر جمع ہو کر یہ حرکتیں کرتے تھے اور اب بھی پھول والوں کی سیر میں ایسی ہی سیہ کاریاں ہوتی ہیں
حسن نظامی

زوجہ مہر پرور صاحبہ اور حیات خاں عرس کے انتظامات ایک مہینے پہلے ہی سے کرتے ہیں اور عرس گاہ کی آرائش و خوبصورتی میں ہر امکانی کوشش صرف کر دیتے ہیں چراغاں کا بہترین انتظام کیا جاتا ہے۔ عجب عجب طرح پر چراغاں ہوتا ہے۔ چراغوں کے خوبصورت درخت بنائے جاتے ہیں۔ تمام راستوں اور آس پاس کے مکانوں پر چراغاں کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ فن چراغاں کے بڑے بڑے باکمال لوگ اور خاص شاہی ملازم اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ عرس کیا ہوتا ہے کہ چراغاں کا بہت شاندار میلہ یا روشنی کی ایک بہترین نمائش ہے۔ قرب و جوار کا سارا خطہ تمام رات روشنی کی کثرت سے بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔ مکانات اور راستوں اور سارے مقامات پر بجز روشنی اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ظاہر ہے کہ ایسے موقع پر دہلی کے خوش باش نوجوان کتنی دلچسپی سے حصہ لیتے ہونگے پس جدھر نظر اُٹھا کے دیکھئے دہلی کے خوش باش لوگ زندگی کی بہار دیکھنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ہر کوچہ و بازار میں ہر درخت کے قریب ہر میدان میں اور ہر باغ میں نہایت بے تکلفی اور آزادی کے ساتھ عاشقوں اور معشوقوں محبوں اور محبوبوں اور مست شباب حسینوں اور خوبصورت امرد لڑکوں اور ان کے چاہنے والوں اور دلفگاروں کے غول کے غول سیریں کرتے، مست و بیخود نظر آتے ہیں۔ یہ رات کے ابتدائی حصے کا منظر ہے اور جب رات زیادہ آجاتی ہے تو بس دہلی والوں میں بھی شباب کی اُمنگیں جوش مارنے لگتی ہیں اور وہ محتسب اور ہر آنے جانے والے سے بے نیاز ہو کر بے اندیشہ اور بے خطر ہوس رانی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ زیادہ تر حسین اور نوخط امرد محبوبی اور معشوقی کا کام کرتے ہیں۔ لیکن بعض بعض لوگ اس کو پسند نہیں کرتے اور وہ عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور یہ کوئی دشوار کام نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی آوارہ عورتیں بکثرت موجود ہوتی ہیں۔ غرض یہ دہلی کا عجیب و غریب عرس ہے جہاں سیر و تفریح اور خوش باشی کے پورے سامان موجود ہوتے ہیں اور یہاں دہلی کے ہر پیشے

اور ہر تفریح گاہ سے زائد دلچسپی ہوتی ہے۔

عُرس کے دن اور عرس کی رات دہلی کے شرفا اور نوابوں اور عالی خاندان لوگوں سے تمام بازار بھرا رہتا ہے اور ہر طرف اس قدر غل شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ دکاندار اپنی دُکانوں کی آرائش بھی خوب کرتے ہیں۔ رقاص، مُطرب اور قوال و نقال مکھیوں کی طرح ہر طرف ناچتے اور گاتے پھرتے ہیں اور انکی تعداد بھی مکھیوں سے کم نہیں ہوتی۔ گداگروں کی تو کوئی حد ہی نہیں ہوتی کیونکہ یہاں بہت کچھ خیرات و صدقات ملتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ بحیثیت تفریح کے یہ عرس خوش باش اور عیاش لوگوں کے لئے جنت ہے۔ کیونکہ یہاں جسمانی لذتوں، عیاشیوں اور رنگ رلیوں کا پورا سامان موجود ہوتا ہے۔ لیکن ایک شریف اور پابندِ شریعت کے لئے یہاں آنا مناسب نہیں ہے اسلئے رنگین نظاروں میں شریک ہونے سے بہتر شریک ہونا ہے اور دیکھنے سے بہتر آنکھیں بند کر لینا ہے۔

میر مشرف کی حضرت کی قبر حضرت محبوب الٰہیؒ کے جوار میں ایک نہایت ہی سرسبز و شاداب اور خوبصورت باغ میں ہے جس کے کنارے ایک بہت صاف و شفاف پانی کی دیدہ زیب نہر جاری ہے۔ یہ مقام دہلی میں رنگینی و رعنائی کے اعتبار سے مشہور ہے۔ ہر طرف خوبصورت اور عطر بیز پھولوں کی کیاریاں اور ہری ہری گھاس کے میدان ہیں۔ دہلی والے سیر و تفریح اور زیارت کی غرض سے شام کے وقت یہاں سیر کرنے آتے ہیں۔ ہوا نہایت مست

سلہ میر مشرف کی قبر اور باغ اور نہر جس کی اتنی تعریف لکھی ہے درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے قریب موجود نہیں ہے۔ البتہ لال بنگلے کے قریب جہاں لودی گولف کلب بنایا گیا ہے وہاں ایک درگاہ اور گنبد پایا جاتا ہے جسکو کسی بزرگ کی درگاہ کہتے ہیں۔ مگر اب ان کا کوئی مزار موجود نہیں ہے اور یہ جگہ بالکل ویران ہے اور جہاں ایسی خرافات ہوتی ہوں اسکو ویران ہی ہوجانا چاہیئے۔ ۱۲
حسن نظامی

اور ٹھنڈی اور ایک زاہد کے لئے تو یہ شکن اور طرب خیز ہے۔ من چلے اور آزاد منش لوگ اکثر یہاں ڈیرے ڈال کر رہتے ہیں اور حسن و عشق کا کھیل کھیلتے ہیں۔ خصوصیت سے برسات کے موسم میں جبکہ ہر طرف برساتی نالے بہتے رہتے ہیں اور نہر کا پانی بھی جوش مارتا ہے ہوا میں مستی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ باغ بہشت کے مناظر پیش کر دیتا ہے۔ دہلی والے برسات کے موسم کی ہمیشہ راہ دیکھا کرتے ہیں۔ اس لئے برسات کے موسم میں یہ باغ سیر و تفریح، ناچ و رنگ اور ہر قسم کی رنگ رلیوں کا مرکز بن جاتا ہے۔

میر کلو[۱] جو حضرت میر مشرف کی اولاد میں ہے عجیب طمطراق اور آن بان سے عرس کا انتظام کرتا ہے۔ پوری وضعداری سے ہر ایک کی خاطریں کی جاتی ہیں اور باغ کے چاروں جانب اعلیٰ پیمانہ پر چراغاں کیا جاتا ہے۔ نہر کے کناروں، برجوں، حویلیوں مکانوں اور باغ کی روشوں پر سب جگہ خوبصورت چراغ اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں اور میر کلو کی طرف سے عرس کی شرکت کے لئے بادشاہ اور شاہی خاندان، اور امرائے سلطنت اور نوابوں اور عمائدین شہر اور علماء و مشائخین کو دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں۔ میر کلو ایک آزاد منش جوان ہے اور وہ امیر زادوں اور نوابوں کی رنگین طبیعتوں سے واقف ہے اس لئے وہ ان کی دلجوئی اور خاطرداری اور مہمان نوازی کے لئے ہر ایک کی خواہش کے مطابق سامان فراہم کرتا ہے۔ اور عیش و نشاط کے لوازمات میں کسی چیز کی کوتاہی نہیں کرتا۔ جب امیر زادے اور اُمراء اور نوابوں کے لڑکے عرس میں آتے ہیں تو اپنے ساتھ کسی کمسن و طرار معشوقہ یا کسی امرد و نوخط کو ضرور لاتے ہیں۔ اور ان خیموں میں ٹھیرتے ہیں جو ہر ایک کے لئے الگ الگ فاصلے سے باغ کے اندر باہر گاڑے جاتے ہیں۔ یہ قیمتی اور رنگین خیمے میر کلو کثیر تعداد میں فراہم کرتا ہے۔ عرس کے دنوں میں

[۱] سعد اللہ خاں کا چوک اب خواب خیال ہو گیا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ چوک اور اس کے قریب کے سب محلے مسمار کر دئے گئے۔ اب وہاں ہو کا میدان نظر آتا ہے۔ حسن نظامی

[۲] میر کلو خبر نہیں کس قبر میں سوتے ہوں گے کسی کو ان کی خبر معلوم نہیں ہے نہ یہ خبر کہ وہ کون تھا اور کس خاندان میں [illegible]

خیموں میں اور باغ کے اندر باہر ہر جگہ گانا بجانا اور ناچ و رنگ اور رقص و سرود کی محفلیں گرم رہتی ہیں۔ میر کلّو اپنے تمام مہمانوں کی پوری خاطر کرتا ہے اور ہر ایک کے لئے نہایت اعلیٰ قسم کے کھانے حسب مراتب تیار کرواتا ہے۔

عرس کی رات شب برات سے زائد مسرت آگیں ہوتی ہے اور عرس کی صبح کو عید سے زائد دلچسپیوں کے سامان ہوتے ہیں۔ عرس گاہ میں دور تک شاندار قالین بچھائے جاتے ہیں۔ ہر طرف فرش اور مسندوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ضیافت اور خاطرداری کے پورے سامان مہیا رہتے ہیں۔ اس کے بعد محفل منعقد ہوتی ہے جہاں سمت اور طرف کی قید سے آزاد ہو کر رقاص ناچتے ہیں۔ ایک دو نہیں کئی کئی۔ ہر طرف اور ہر جانب قوال بھی بے پرواہ ہو کر گاتے ہیں اور نقال بھی بے خطر نقل بازی کرتے ہیں غرض مجلس کیا ہوتی ہے قوالوں، رقاصوں اور نقالوں کا ایک میلہ ہوتا ہے جب مجلس خوب گرم ہو جاتی ہے اور ہر شخص مستی و بیخودی کے عالم میں اپنے مرتبے سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے تو ایک عجیب ہی منظر دیکھنے میں آتا ہے کہ ساری خلقت اور سب رقاص و قوال و نقال گھُل مل کر بالکل آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور جس کا جی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی روکنے والا، کوئی محتسب کوئی نصیحت کرنے والا نہیں ہوتا۔ عیش و رندی کا تمام سامان پہلے سے تیار رہتا ہے بس اس منزل پر پہنچکر نفسانی خواہشات آزادی کے ساتھ پوری کی جاتی ہیں۔ اور ایک ایک معشوق کے ساتھ شراب کے دور چلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے میر مشرف کا عرس! لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کوئی متقی اور اصلی درویش ان لغویات میں شریک نہیں ہوتا اور وہ ان سب سے الگ تھلگ مزار کے کسی گوشے میں مراقبے یا ذکر و اذکار میں مشغول رہتے ہیں، اور با نیک دل امراء غریبوں کو صدقات و خیرات تقسیم کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

چوک سعد اللہ خاں[1] } یہ چوک قلعۂ شاہی کے دروازے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دہلی کا بہت ہی خوبصورت بازار ہے یہاں صبح شام اس قدر مجمع رہتا ہے اور اس قدر رنگا رنگ کے جلوے نظر آتے ہیں کہ پہلی دفعہ دیکھنے والا دیکھ کر حیرت زدہ سا ہو جاتا ہے اور ایک اجنبی شخص کے لئے یہ بازار نگار خانۂ چین معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں حیرت اور دلچسپی اور تعجب کی بہت سی چیزیں ہیں۔ نیا شخص کس کس کو دیکھے۔ بازار کے ایک طرف خوبصورت اور طرح دار امردوں[2] کا ناچ ہوتا ہے۔ یہ ناچ اس قدر دلچسپ ہوتا ہے کہ آدمی بس کھڑا دیکھا ہی کرے۔ ناچ دیکھنے والوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی ہے جو صدائے تحسین و مرحبا سے آسمان سر پر اُٹھا لیتی ہے۔ جس کو سُن کر ہر گزرنے والے کا دل زبردستی ناچ کی طرف کھنچ جاتا ہے۔

دوسری طرف جائیے تو پیشہ ور[3] واعظوں کے بہت سے منبر نظر آئیں گے یا اونچی اونچی لکڑی کی کرسیاں ملیں گی جن پر شیریں مقال واعظ بیٹھے ہوئے تقریریں کر رہے ہوں گے۔ موقع اور وقت کی مناسبت سے ان کا وعظ بڑا دل لبھانے والا ہوتا ہے رمضان کے مہینے میں رمضان کے فضائل اور روزے کے فوائد سُن لیجئے۔ حج کے مہینے میں حج کے مناسک گوش گزار کیجئے۔ محرم الحرام کے مہینے میں شہادت پر لیکچر سُنئے اور خوب روئیے۔ یہ واعظ پیشہ ور ہیں کیونکہ اپنے لیکچر کے خاتمے پر پیسے وصول کرتے ہیں۔ اور

---

[1] سعد اللہ خاں کا چوک اب خواب خیال ہو گیا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں وہ چوک اور اس کے قریب کے سب محلے مسمار کر دئیے گئے۔ اب ٹکج کا میدان نظر آتا ہے۔ حسن نظامی

[2] مرد لڑکوں کے ناچ کا رواج اب دہلی میں باقی نہیں ہے البتہ دیہات میں راس دھاری کے سوانگ کرنے والے لڑکے اب بھی ناچا کرتے ہیں اور سرحد پر بھی ایسے ناچ کا رواج پایا جاتا ہے حسن نظامی

[3] اس قسم کے پیشہ ور واعظ جو بازار میں کھڑے ہو کر وعظ کہیں اب دہلی میں نہیں ہیں۔
حسن نظامی

ان کا ذریعہ معاش ہے۔ یہ لوگ بلا کے جادو گفتار اور لسان اور عوام کی نفسیات سے واقف ہوتے ہیں۔ بڑی فصاحت و بلاغت سے تقریر کرتے ہیں اور ایک ایک لفظ اس خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں کہ عوام کی سمجھ میں پوری تقریر آجاتی ہے۔ ان لوگوں کی تقریر میں جاہلوں اور عالموں سب ہی کا مجمع ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو مسلسل کئی راتوں تک ایک ہی موضوع پر بیان کرنے کی قدرت حاصل ہے گویا مذہبی داستان گو ہیں۔ آگے بڑھیے تو آپ کو رمالوں[۱] منجموں، اور جوتشیوں کی جماعت کا جال بچھا ہوا نظر آئیگا جن کے پھندے سے نکل جانا مشکل کام ہے۔ یہاں خلقت اپنی تقدیر کے نوشتے کو معلوم کرنے کے لئے بیٹھی ہوئی ہے۔ کوئی ہے جو خوش آئندہ واقعات سُن کر مسرور ہو رہا ہے اور کوئی ہے جو آئندہ کی پریشانیوں کو سُن کر متفکر ہے۔ منجموں کی آمدنی اِس بازار میں بہت کافی ہوتی ہے۔ اور آگے بڑھیے ذرا غور سے دیکھیے وہ سامنے حکیم صاحب سرِ راہ فرشی مطب کھولے بیٹھے ہیں۔ زمین پر پانی چھڑکا ہوا ہے۔ اور ایک صاف سُتھرا فرش بچھا ہوا ہے جس پر قاعدے کے ساتھ دوائیاں چُن دی گئی ہیں اور عمدہ کپڑے کی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں سے نکال کر آراستہ کی جا رہی ہیں۔ یہ دوائیں درحقیقت بالکل خراب ہوتی ہیں اور ان میں خاک دھول کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن ظاہری شان و شوکت سے اصلیت ٹپکتی ہے۔ یہ جو حکیم صاحب بنے ہوئے ہیں اصل میں حکمت کے نام سے بھی

---

[۱] اب اس طرح بازار میں رمال اور نجومی بھی نہیں بیٹھتے۔ البتہ کہیں کہیں سڑکوں کے کنارے پر کبھی کبھی کوئی پنڈت بیٹھا نظر آجاتا ہے۔ ۱۲ حسن نظامی

[۲] تقریر کرنے والے حکیم اب بھی دہلی کے چوک اور جامع مسجد کے قریب نظر آتے ہیں۔ اور اب بھی اسی قسم کے شرمناک امراض کی نسبت ان کی تقریریں ہوتی ہیں۔ اور ایسے فحش الفاظ میں وہ امراض کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ کوئی سنجیدہ مزاج آدمی وہاں کھڑا نہیں ہوتا۔ حسن نظامی

آشنا نہیں ہیں۔ لیکن روٹی کمانے کے دھندے ملاحظہ فرمایئے، کہ کس شان سے بیٹھے ہیں۔ اعلےٰ اور رنگین اور قیمتی و خوبصورت کپڑے خوب موٹا جسم اس پر گھنی داڑھی بس پورے حکیم صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ دکان آراستہ ہوگئی تو حکیم صاحب نے تقریر شروع کی اور امراض کی تفصیل اور دوائیوں کی خوبیاں بیان کرنی شروع کیں، ایسی لسانی سے کہ بس فصاحت و بلاغت کے دریا بہنے لگے اور لوگ بے اختیار کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ حکیم صاحب نے سفوف۔ معجون۔ قرص۔ جوب۔ ضماد اور شربتوں کی پہلی تو تعریف کی پھر اس کے بعد خود ساختہ دوائیاں پیش کیں اور اپنے علم و فضل اور دوائیوں کی زود اثری پر ایک پر اثر تقریر کردی۔ اب کیا تھا، جاہلوں اور بیوقوفوں کو نعمت ہاتھ آگئی اور لوگوں نے آگے بڑھ بڑھ کر دوائیاں خریدلیں۔ یہ تو حکیم صاحب کی عام دوائیں تھیں۔ اب شرمناک بیماریوں پر لیکچر شروع ہوا۔ اور جلق۔ عضو تناسل کی کجی، کمزوری اور اس کے علاج اور امساک اور آتشک و جریان اور سوزاک پر دہ رسیلی تقریر کی اور وہ اپنی دوائیوں کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملائے کہ سارا ہجوم لٹو ہوگیا، اور حکیم صاحب جو کچھ خاک دھول لائے تھے وہ بیچ باچ اور دوائیوں کے استعمال کے غلط سلط طریقے بتا رقم اکٹھی کر چلتے بنے۔ انھوں نے اگر کسی کو بہت بڑا نسخہ بتایا تو سانڈے کا تیل یا چربی "طلائے اکسیر" نام دیکر دیدی ان کی لسانی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک جاہل کیا بلکہ سمجھدار آدمی بھی ان کو اعلےٰ طبیب سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی باتیں ان کی تقریر اور ان کی ایکٹنگ بالکل حکیموں جیسی ہوتی ہے۔ آگے بڑھیئے تو سامنے کی طرف نقالوں[۱] کا مجمع نظر آئیگا جن کو کسی پیشے یا واقعے کی نقل کرنے میں کمال حاصل ہے۔ اسی بازار میں بہت سی دکانیں ایسی بھی ہیں جن میں کھلی شراب[۲] بکتی

---

[۱] نقالوں کا ناچ گانا بھی اب دہلی کے بازاروں میں نہیں ہوتا۔ صرف عید بقر عید پر یہ لوگ گھر گھر ناچنے گانے جاتے ہیں۔ حسن نظامی [۲] اب جبکہ انگریزوں کی آزاد حکومت کا زمانہ ہے شراب

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

ہے اور محتسب ان کا کچھ نہیں کرسکتا۔ بازار بھر میں جس طرف نظر اٹھایئے شام کے وقت عجب بہار نظر آئیگی۔ کہیں خوبصورت امرد لڑکے[1] اور ان کے عاشق زار گلے میں باہیں ڈالے تفریح کرتے ہوئے جا رہے ہیں اور کہیں تماشہ بین[2] عورتیں سیر کر رہی ہیں۔

بازار کے ایک حصے میں ہتھیار فروشوں کی دُکانیں ہیں جنھوں نے ہر قسم کے ہتھیاروں کو مختلف ترکیبوں سے آراستہ کر رکھا ہے۔ چاندی اور سونے کے قبضے کی تلواریں اور ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے قبضوں کے ہتھیار بھی ہیں جن کی چمک دمک اور آب و تاب نے دکان میں چکا چوند کر دی ہے۔

میوہ[3] فروشوں کی دکانیں بھی قابلِ دید ہیں جہاں ہر قسم کے دیسی اور افغانی میوے موجود رہتے ہیں۔ دکانوں کی سجاوٹ اور خوبصورتی قابلِ تعریف ہوتی ہے۔ اس بازار کے ایک حصے میں جانوروں[4] کی بہت سی دکانیں ہیں جس میں عجیب قسم کے چرند و پرند اور درندے بکتے ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ اگر دکانداروں سے کسی خاص جانور کی فرمائش کی جائے تو یہ بہت جلد کسی نہ کسی جگہ سے فراہم کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص حضرت سلیمان کی طرح جانوروں کی بولی سے آگاہ ہو تو اس کے لئے یہ جگہ بالکل بہشت کا سماں پیدا کر دیگی۔ امرا اور نواب لوگ بولنے والے پرندوں اور خوبصورت

---

[1] (بقیہ صفحہ گذشتہ) ہر بازار میں علانیہ فروخت ہوتی ہے۔ البتہ دکانداروں کو سرکاری اجازت لینی پڑتی ہے۔ ۱۲ [2] یہ رواج اب نہیں ہے۔ حسن نظامی [3] اس کا رواج بھی آجکل نہیں ہے۔ ۱۲

[4] ہتھیاروں کی فروخت دہلی میں اب کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی۔

[5] میوہ فروشوں کی دکانیں اب بھی چاندنی چوک میں متعدد ہیں۔ پشاور کے میوے والے یہ کاروبار کرتے ہیں۔ حسن نظامی۔ [6] ایسے جانوروں کی فروخت اب دہلی کے کسی بازار میں نہیں ہوتی البتہ شام کے وقت جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کبوتر اور لال اور بیدڑ یا اور گلدم وغیرہ بکتے ہیں حسن نظامی

جانوروں کو بڑے شوق اور گراں بہا قیمت سے خریدتے ہیں۔ لیکن شوقین لڑکے اور رنگین مزاج جوان لڑنے والے جانور خریدتے ہیں اور ان کو محنت سے پالتے ہیں۔ اس بازار میں لڑنے والے مُرغ بہت بکتے ہیں اور ان کی قیمتیں بھی حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ اور دہلی کیا کہیں بھی اس بازار سے بہتر خوبصورت اور طاقتور مرغ نہیں بکتے اور یہاں تمام ہندوستان کے منتخب جانور لاکر فروخت کئے جاتے ہیں اسی بازار میں جانوروں کی دکانوں کے قریب پنجروں کی بھی بے شمار دکانیں ہیں جہاں عجیب غریب قسم کے پنجرے دیکھنے میں آتے ہیں اور جو بڑی محنت اور کاریگری سے تیار کیئے جاتے ہیں۔ ان پنجروں کے دام بھی بہت ہوتے ہیں جن کو شوقین مزاج نواب صاحبان خریدتے ہیں۔

الغرض اس بازار میں ضرورت کی تمام چیزیں موجود ہیں اور خواہشات پورا کرنے کا سارا سامان مہیا ہے۔ اس بازار کا وہ حصہ جو قلعے کے سامنے ہے وہ تو صرف دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ وہاں کی چہل پہل اور رونق، امیروں کی آن بان اور خوش باشوں کی خوش فعلیاں الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتیں۔

چاندنی چوک[1] سب سے زیادہ خوبصورت چوک اور سب بازاروں سے بڑھ کر آراستہ ہے۔ یہ بے مثل تفریح گاہ اور شہرۂ آفاق عجائب خانہ ہے۔ اس چوک کے سب راستے اور سب دروازے خوبصورت ہیں اور ان کی آرائش بھی بہت دلکش اور جاذبِ نظر ہے۔ راستے بہت کشادہ اور وسیع ہیں اور بیچ کی نہر[2] تو

---

[1] چاندنی چوک کے دروازے سے نواب صاحب کی کیا مراد ہے میں اس کو نہیں سمجھا۔ یہ بازار لال قلعے کے دروازے سے شروع ہوتا ہے اور فتح پوری کی مسجد کے دروازے پر ختم ہو جاتا ہے۔ قلعہ اس بازار کے شرق میں ہے اور فتحپوری کی مسجد غرب میں شاید یہی دو دروازے مراد ہونگے حسن نظامی

[2] یہ نہر نواب سعادت خاں بہادر نے شاہجہاں کے زمانہ میں بنوائی تھی اور دہلی کے غرب سے ہوتی ہوئی چاندنی چوک کے وسط میں لائی گئی تھی۔ اور یہاں سے لال قلعے میں گئی تھی اور شاہی

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

سونے پر سہاگہ ہے۔ نہر کا پانی اس قدر صاف و شفاف ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہو سکتا ہر وقت آئینے کی طرح جھلملاتا رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چاروں طرف اہلِ جنت کے مکانات ہیں اور وسط میں نہرِ بہشت جاری ہے۔ اس چوک کی دکانیں بھی بہت عالیشان ہیں جن میں دنیا کی ہر نادر اور اعلےٰ چیز موجود ہے۔ خاص طور سے ظروف اور جواہرات اور قیمتی ہتھیار۔ اور آرائشی اشیار کی دکانیں تو بہت ہی حیرت انگیز ہیں کیونکہ ان اشیار کی تجارت کے لئے دہلی ہندوستان بھر میں مشہور ہے اور دہلی میں یہی بازار ان کا مرکز ہے۔

جوہریوں کی عالیشان دکانوں کی سجاوٹ[۵] خریدار کا دل موہ لیتی ہے تقریباً تمام جوہریوں کی دکانوں پر کئی کئی دلال[۶] ملازم ہوتے ہیں جن کا کام خریدار کو تہذیب متانت اور شیریں مقالی سے اپنی دکان کی طرف متوجہ کرنا اور مال کی کیفیت کو بڑھا چڑھا کر بتانا ہے۔ یہ دلال اتنے شیریں مقال اور مہذب ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خریدنے کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو تو وہ بھی ان کی میٹھی باتوں سے مسحور ہو کر خریدنے پر آمادہ ہو جاتا ہے دلال انتہائی خوش مذاق، لطیفہ گو اور بذلہ سنج ہوتے ہیں۔ ان کا کام محض خریدار کو اپنی دکان تک

(بقیہ صفحہ گزشتہ) محلوں اور دیوان خاص اور حمام و مسجد وغیرہ میں ہوتی ہوئی جنوبی دروازے سے نکل کر خانم کے بازار اور فیض بازار (حال دریا گنج) کے وسط سے دہلی دروازے (شہر) سے باہر چلی گئی تھی۔ میرے بچپن میں موری دروازے کے جنوب میں ڈفرن برج کے پاس کھلی ہوئی تھی اور چاندنی چوک میں پٹی ہوئی تھی اور جہاں آجکل گھنٹہ گھر ہے وہاں ایک بڑا حوض تھا (یہ حوض میری یاد سے پہلے بند ہو گیا تھا) اور فیض بازار دریا گنج میں یہ نہر کھلی ہوئی تھی اور وسط بازار میں یہاں بھی ایک بڑا حوض تھا۔ اور کناروں پر پختہ گچ کی دیواریں تھیں جو ابھی حال میں ٹوٹی ہیں اور نہر بند کر دی گئی ہے چاندنی چوک میں بھی بند کر کے سڑک بنا دی ہے۔ حسن نظامی [۵] یہ سجاوٹ اب بھی ہے اور جوہریوں نے یورپین اور امریکن سیاحوں کیلئے پرانے زمانے کی کتابیں لباس اور ہتھیار بھی یہاں سجائے ہیں۔ [۶] دلال

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)
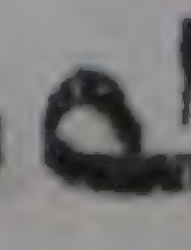
لانا ہوتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دلالوں کی وجہ سے مالک دکان کسی خریدار سے غیر واجبی دام وصول کرلے اور اس کو نقصان پہنچائے۔ تقریباً چاندنی چوک کی تمام دکانوں میں دلال ہیں لیکن جوہریوں کے دلال اس فن میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

آلات حرب کی جو دکانیں ہیں وہ بھی بے نظیر ہیں کیونکہ ان دکانوں میں اعلےٰ قسم کے ہتھیار فروخت کیے جاتے ہیں۔ غریب و امیر، بادشاہ و فقیر سب انہی دکانوں سے سامان خریدتے ہیں۔

بہت سی[1] دکانیں حقوں کی ہیں۔ جن کی وسعت اور بڑائی پر بے حد تعجب ہوتا ہے جہاں سینکڑوں قسم کے حقے ہزار ہا روپے کی قیمت کے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ زرنگار زرتار۔ مطلا اور منقش اور رنگین ہر قسم کے حقے امیروں اور غریبوں کے لئے موجود ہیں اور پھر حقے ایک نمونے اور ایک ڈیزائن کے نہیں بلکہ سینکڑوں نمونوں اور ڈیزائنوں کے ہوتے ہیں۔ دکان کے سامنے جایئے اور گھنٹوں حقوں کو ہی دیکھا کیجئے کبھی سیری نہ ہوگی۔

ظروف[2] کی دکانیں بھی اپنی شان میں بے نظیر ہیں۔ چین اور ہندوستان کی نقاشی اور میناکاری کے وہ بہترین نمونے کہ سبحان اللہ۔ جب دکاندار آرائش و زیبائش کے لئے دکانوں

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اب بھی ہوتے ہیں مگر اب وہ انگریزی بولتے ہیں اور فصاحت دبلاغت ختم ہوگئی کیونکہ ہندو اور کم علم ہونے کے سبب ان کی اردو بولی بہت خراب ہوتی ہے۔

ف[1] سگریٹ وسگار کے رواج کے سبب اب حقوں کی دکانیں کم ہوگئیں۔ بلیماران کے نکڑ پر جہاں سے چاندنی چوک میں آتے ہیں دو طرفہ دو تین دکانیں حقوں کی ہیں مگر بہت چھوٹی۔ جہاں معمولی حقے ملتے ہیں اور بنائے جاتے ہیں (یعنی حقوں کے نیچے) وغیرہ۔ حسن نظامی

ف[2] اب چاندنی چوک میں صرف مرادآبادی اور ایلومینیم کے برتنوں کی چند دکانیں ہیں۔ تانبے پیتل کے برتن چاوڑی بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔

حسن نظامی

کے سامنے ان خوبصورت پیالوں اور صراحیوں اور تھالیوں اور برتنوں کو رکھتے ہیں تو راہگیروں کو یہ منظر بہت بھلا لگتا ہے اور بے اختیار جی کہتا ہے کہ ایسے خوبصورت پیالے اور ایسے رنگین جام ہیں اور ایسی دلکش صراحی ہیں تو بجز شراب کے کوئی دوسری چیز رکھنی ہی نہ چاہئے اور جن آزادمنشوں کو خدا نے دولت دی ہے وہ ایسی صراحیوں اور ایسے ہی جاموں اور پیالوں میں[1] شراب ناب کے مزے لوٹتے اور دورِ زندگی کا لطف حاصل کرتے ہیں جھاڑوں اور قندیلوں کی دکانیں بھی آرائش میں بے مثل ہیں اور آرائش ہی کیا در حقیقت لاجواب سامانوں اور قیمتی اشیاء سے مملو ہیں۔ عمارتی آرائش اور جواہرات اور زیورات اور ظروف کا جتنا اور روزگار سامان اس بازار میں ہے وہ شاید ہی کسی دوسری جگہ ہو۔

یہ تو دوکانوں کی ایک ہلکی سی جھلک تھی لیکن ذرا شام کے وقت بازار کی سیر و تفریح پر تو نظر ڈالئے۔ یا سبحان اللہ! کیا سہانا وقت ہے۔ ہر طرف چمن[2] زار، باغات اور

ف۱ اب یہ جام و صراحی نابود اور آسٹریا اور جاپان کے بنے ہوئے شیشے کے گلاس بکتے ہیں ۱۲

ف۲ چاندنی چوک میں نہر سعادت خاں بیچ بازار میں تھی اور اس کے دونوں کناروں پر نہایت خوبصورت اور سرسبز درخت تھے جو میرے بچپن کے وقت موجود تھے۔ اور دربار ۱۹۱۱ء کے بعد کاٹے گئے اور نہر کی پٹڑی توڑی گئی اور ایک چوڑی سڑک بنائی گئی۔ اور اس کے وسط میں ٹرام کی پٹڑی بچھائی گئی۔ میں نے ان درختوں کے کٹنے کے خلاف بہت سے مضامین لکھے اور دہلی کے دوسرے اصحاب نے بھی لکھے تب کمیٹی نے سڑک کے دونوں طرف نئے درخت لگائے جو ابھی بہت چھوٹے ہیں مگر نہر بند ہو جانے کے سبب ان کا سرسبز ہونا محال ہے اور نہ [illegible] جیسی رونق ہو سکتی ہے۔ نہر کی وجہ سے سنا ہے اس بازار میں مچھر بہت تھے اور بخار کی بھی کثرت تھی۔ مگر اب باشندوں کو سورج کی تپش بخار سے زیادہ اذیت دیتی ہے

حسن نظامی

خوبصورت دکانیں اور آبِ شفاف کی لہریں لیتی اور بل کھاتی ہوئی نہر دکھائی دیتی ہے۔ جب شفق کے وقت غروبِ آفتاب کا منظر نہر میں دیکھئے تو روح میں ایک خروش پیدا ہوتا ہے اور یہ نظارہ ہزاروں چمن کی سیروں سے زیادہ پُر اثر ہو جاتا ہے۔

عین وسط چوک میں جو اپنے منظر اور فضا کے اعتبار سے بہترین مقام ہے بہت سے قہوہ خانے[1] ہیں۔ جہاں شام کے وقت شہر کے خوش فکر اور زندہ دل شعرا اور مجلس نواز حضرات جمع ہوتے ہیں۔ اور شعر و شاعری کا تذکرہ رہتا ہے اور ہر ایک زندہ دلی اور بذلہ سنجی سے کام لیتا ہے اور بڑے بڑے رؤسا اور عمائدینِ سلطنت روزانہ بازار کی تفریح کے لئے آتے ہیں تو ان مجلسوں میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

اس بازار میں جس قدر قیمتی سامان ہے اور جس قدر نادر الوجود اشیا ہیں اگر ان کی خریداری کے لئے قارون کا خزانہ بھی ہو تب بھی کافی نہ ہو سکے گا ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک نوجوان امیر زادے نے اپنی ماں سے چاندنی چوک کی سیر کرنے کی اجازت مانگی تو غمزدہ ماں نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ بیٹا تمھارے باپ نے بہت تھوڑی دولت چھوڑی ہے تم چاندنی چوک کی کیا خاک سیر کرو گے لیکن خیر میں تمہارا دل توڑنا نہیں چاہتی۔ اچھا یہ ایک لاکھ روپیہ لیجاؤ۔ اگرچہ تم اس سے حسبِ خواہش چیزیں نہیں خرید سکو گے لیکن وہاں جاتے ہو تو خالی ہاتھ کیا جاؤ گے۔ اس سے تھوڑا بہت سامان خرید لینا۔

[1] ہائے اب وہ سماں نہیں ہے اور چاندنی چوک کہتا ہے کہ میں نے ان طوطی مقال دلی والوں کو کوتوالی کے سامنے پھانسیوں پر لٹکا ہوا دیکھا جن کی لاشیں غلاظت کی گاڑیوں میں بھر بھر کر جمنا دریا میں پھینکی جا رہی تھیں۔ یہ ذکر غدر ۱۸۵۷ء کا ہے۔ جس کے بعد دلی اُجاڑ ہو گئی۔

[2] ذرا چھاتی پر ایک دو ہتڑ مار کر آہ کرو اب دلی کے کسی مسلمان کے گھر میں ایک کھوٹا ایک پیسہ روپے بھی فالتو موجود نہیں ہے جو بچوں کو ان کی مائیں بازار بھیجیں سودا خریدنے کیلئے دیں۔ اب تو دو چار روپے لیکر بازار میں آتے ہیں اور یورپ کی ساختہ چیزیں خرید [illegible]

فقرا

ذکر حافظ شاہ سعد اللہ صاحبؒ نہایت عالی مرتبت بزرگ ہیں ان کے کمالات اور مناقب احاطۂ تحریر سے باہر ہیں۔ سب لوگ حضرت کو نہایت زبردست ولی اور صاحب ولایت کہتے ہیں اور مشہور ہے کہ قطبیت کے درجے تک پہنچ گئے ہیں۔ آپ کی کرامت مشہور ہے کہ بہت سے اندھوں کی بینائی ان کی برکت سے آ گئی۔ خدا نے آپ کی دعا میں بہت اثر دیا ہے۔ آپ کی قیامگاہ پر سینکڑوں طالب سلوک طے کرتے رہتے ہیں اور مجاہدات میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ بہت صاف دل اور روشن ضمیر ہیں۔ بات بہت کم فرماتے ہیں اکثر مراقبے کی حالت میں خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ نقشبندی سلسلے سے تعلق ہے۔ اسی لئے سماع سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ ۱؎

شاہ غلام محمد اول پورہؒ ۲؎ پُر رعب اور عظیم المنزلت بزرگ ہیں۔ بڑے بڑے دولت مند حضرت کے پاس آتے ہوئے کانپتے ہیں اور حاضرین پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ نہایت متوکل اور صابر ہیں۔ کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ اکثر روزہ رکھتے ہیں۔ بہت ہی دبلے اور کمزور جسم کے ہیں۔ باوجودیکہ امیر و غریب سب نازبرداری اور خدمت کے شوق میں ہر وقت حاضر رہتے ہیں لیکن وہ کسی سے کچھ نہیں لیتے اور اگر کبھی کوئی نذرانہ قبول فرماتے ہیں۔ تو وہ حاضرین پر برابر برابر تقسیم کر دیتے ہیں اناج کو کھڑی کھاتے ہیں اور کبھی تنہا نہیں کھاتے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہماری جیب کا ہر پیسہ یورپ چلا جاتا ہے دلی والے دوکانداروں کی جیب میں نہیں جاتا ۔ ۱؎ آجکل کوئی شخص ان کے نام اور ان کی اولاد اور ان کے مقام سے واقف نہیں ہے۔ ۲؎ دل کی آنکھ رکھتے تھے آنے والے زمانے کو دیکھتے ہونگے اور دم بخود ہو جاتے ہونگے کہ آج دلی کی کیا شان ہے۔ اور کل کیا حال ہونے والا ہے۔ ۳؎ اب ان کا نام و مقام بھی کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں تھے اور ان کے سلسلے میں کوئی ہے یا نہیں۔ — حسن نظامی

ہیں اور کبھی تنہا نہیں کھاتے ہمیشہ اہل مجلس اور حاضرین کے ساتھ تناول فرماتے ہیں قوالی بہت زیادہ سنتے ہیں۔ اور وجد و حال کی کیفیت میں سرشار رہتے ہیں۔

غریبوں اور امیروں اور فقیروں سے یکساں برتاؤ کرتے ہیں۔ بادشاہِ وقت (محمد شاہ) نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح آپ یومیہ وظیفہ قبول فرمالیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ یہ دہلی کے مشہور بزرگ اور صاحب کرامت مانے جاتے ہیں۔

شاہ محمد امیر[۱] کی نقشبندی سلسلے کے بزرگ ہیں۔ شہر کے اندر ہی رہتے ہیں اور بہت صاحب کمال اور پُر جلال ہیں۔ ہر وقت مراقبے میں رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ حضرت پر ایک خاص کیفیت طاری رہتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے آرام فرماتے ہیں۔ سارا وقت استغراق میں گزرتا ہے۔ صائم الدہر ہیں اور رات کے اکثر حصے میں عبادت کرتے ہیں اذکار اشغال مراقبے وغیرہ کے لئے آپ نے اوقات تقسیم کر دیئے ہیں۔ رات کے آخری حصے میں جب عبادت سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے بچوں کو نصیحت فرماتے ہیں اور ان کو تعلیم دیتے ہیں۔ چہرۂ مبارک نورانی اور تجلی الٰہی سے معمور رہتا ہے۔ حضرت کے بہت سے مرید ہیں۔ کشمیر کے لوگ حضرت کے خصوصیت سے معتقد ہیں۔ امرائے شہر اور وزیر اعتماد الدولہ بھی حضرت کا مرید ہے حضرت کے دو بچے ہیں اور دونوں خلف الصدق اور باپ کے صحیح جانشین اور حقیقی وارث ہیں۔

شاہ پانصد منی[۲] کی توران کے رہنے والے ہیں اور گدھے کی سواری کرتے ہیں۔ سرحدی ممالک تک مشہور ہیں۔ بہت مشہور فقیر ہیں تمام دن حضرت کے ہاں مہمانوں کا مجمع رہتا ہے۔ غایت درجہ مہمان نواز اور خوش خلق ہیں۔ فقیروں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ روزانہ قرآن خوانی کرتے ہیں۔ بڑے سے بڑے مجمع میں اپنے

---

[۱] افسوس کیسا انقلاب ہے کہ حضرت کا نام و مقام بھی اب کسی کو معلوم نہیں ہے۔ نہ ان کے مزار مبارک کا کہیں پتہ ہے، نہ ان کی اولاد کا کوئی نشان باقی ہے۔ حسن نظامی

[۲] پانسو من کے شاہ صاحب کا نام و مقام بھی ایک ماشے کی برابر کوئی نہیں جانتا۔ حسن نظامی

عمامے کی وجہ سے پہچان لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ عجیب طرح سے بندھا ہوا اور بہت ہی بڑا ہوتا ہے جیسے کوئی پہاڑ سر پر رکھا ہو۔

میر سید محمد[۱] نسب اور حسب کی جلالت اور بزرگی چہرے سے عیاں ہے جو آفتاب کی مانند چمکدار اور چاند کے مانند نورانی ہے۔ مشہور زمانہ بزرگ اور صاحب عرفان ہیں۔ بہت شیریں گفتگو کرتے ہیں۔ اتنے پُر رعب ہیں کہ جلیسے ہیں جدھر آنکھ اُٹھاکر دیکھتے ہیں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ متوکل اور قانع ہیں کسی سے کچھ لینا اور مانگنا پسند نہیں کرتے۔ جہاں رہتے ہیں در و دیوار سے نور برستا ہے۔ استقامت وضع میں عدیم المثل ہیں اور حق گوئی اور بیباکی میں کسی رئیس، کسی بادشاہ اور کسی حکومت کی پروا نہیں کرتے۔ بادشاہ کی طرف سے تحفہ تحائف اور نذریں آتی ہیں لیکن کسی کو قبول نہیں کرتے اگرچہ آپ کے صاحب زادے اور اقربا غریب ہیں لیکن وہ بھی دستِ سوال دراز نہیں کرتے۔ شیریں سخن۔ شیریں مقال اور شیریں ادا اور لطائف پسند ہیں۔ اور طبیعت میں ظرافت و شگفتگی بھی ہے۔ تمام اہل دہلی حضرت کے کمال کے بارے میں متفق ہیں۔ مصنّف کتاب بارہا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ سبحان اللہ عجیب پر فیض مقام اور عجیب پر فیض صحبت ہے۔

مجنوں نانک شاہی[۲] بالکل مجنوں کی طرح دُبلے پتلے اور نازک ہیں اور مجنوں کی طرح حقیقی لیلیٰ (خدا) کے عاشق ہیں۔ دریا کے کنارے ایک ٹیلے پر ...

---

[۱] نواب صاحب نے جن بزرگ کی اتنی تعریف کی ان کا نام و نشان بھی اب دلی میں کوئی نہیں جانتا۔ حسن نظامی

[۲] دہلی شہر کے باہر جمنا کے کنارے مجنوں کا ٹیلا اب بھی مشہور ہے اور وہاں سکھوں کا گوردوارہ بھی ہے اور مسجد بھی ہے۔ ممکن ہے یہ درویش سکھ عقیدے کے ہوں نواب صاحب نے اس کی تشریح نہیں کی۔ حسن نظامی

فقرا، کسی مذہب کے ہوں ان کو سب ہندو مسلمان مانتے ہیں۔ اور نانک شاہی سکھ فقرا کو

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

رہتے ہیں۔ اچھا لباس پہنتے ہیں۔ خلوت گاہ سے ایک خاص وقت تشریف لاتے ہیں اور ملاقاتیوں کو شرف بخشتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان سب حضرت کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ اور انتہا کی تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں۔ بیش قیمت تحفہ تحائف بھی لے جاتے ہیں حضرت ان سب ہدیوں کو قبول فرما کر حاضرین ہی میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ بے ضرورت بات چیت نہیں کرتے اور اکثر اختصار سے کام لیتے ہیں۔ مالدار ہندو مسلمانوں سے زیادہ معتقد ہیں وہ بڑی گرانبہا رقمیں حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ہر امکانی خدمت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مجنون اپنے وقت کے نانک ہیں، اور نانک ہی کی روح نے آپ کی شکل میں جنم لیا ہے۔ اسی لئے آپ کا نام بھی "مجنون نانک شاہی" ہے۔ جب حضرت خلوت سے نکل کر مسند پر بیٹھتے ہیں تو آپ کے ہندو اور مسلمان معتقد دونوں جانب سے مور کے بڑے بڑے پنکھے جھلتے ہیں۔ حضرت کی نشست سے معلوم ہوتا ہے کہ باطنی اشغال میں مصروف ہیں۔ محفل میں ہمیشہ سکوت رہتا ہے۔ اکثر قوال بھی گاتے ہیں اور حضرت خاموشی سے سنتے رہتے ہیں۔ معتقد قوالوں کو بہت کچھ دیتے ہیں۔ ضرورتمند لوگ دعا کرانے جاتے ہیں مشہور ہے کہ جن کے لئے آپ نے دعا فرما دی وہ قبول ہو جاتی ہے بہت صلح کل اور لائق صحبت آدمی ہیں۔ جن کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔

چونکہ حضرت کا مکان دریا کے کنارے ایک خوش فضا مقام پر واقع ہے اس لیئے عام طور سے لوگ سیر و تفریح کی غرض سے یہاں آتے ہیں۔ کشتیوں میں سیر کرتے ہیں۔ اکثر شوقین عورتیں آتی ہیں جو زیادہ تر رنگیلی منش ہوتی ہیں اور جن کی نگاہیں مجنونوں کو تلاش کرتی رہتی ہیں۔ اور بہت سے مجنوں صفت مرد اور خوش باش نوجوان بھی مغرب کے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کسی مذہب سے تعصب نہ تھا۔ آجکل مجنوں کے ٹیلے کی نسبت سکھوں اور مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔ مگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ دونوں کی ہے۔ آپس میں لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ حسن نظامی

بعد تفریح کے لئے آتے ہیں۔ اور پھر بعد میں لیلیٰ مجنوں کا تماشہ رات کی خاموشی میں دریا کے کنارے کھیلا جاتا ہے، اور کوئی حائل نہیں ہوتا تو برسات کے موسم میں یہ مقام بہت پر کیف ہو جاتا ہے ایک تو موسم پھر ٹھنڈی ہوا پھر دریا کا لہریں لیتا ہوا جوبن اس سے عجیب مستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دسویں محرم کو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق کوئی رسم دریا کے کنارے منائی جاتی ہے۔ اس دن اس مقام پر ساری دہلی کے لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک غمگین مسرت کے ساتھ دن بسر کرتے ہیں۔

شاہ کمالؒ رنگین مزاج اور شوخ طبیعت کے بزرگ ہیں۔ اعلےٰ سے اعلےٰ باریک کپڑا پہنتے ہیں، اور خورونوش میں بھی بہت اہتمام اور تکلف کرتے ہیں جسم بھی بہت مضبوط ہے اور دہلی کے مشائخ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وجد و حال اور سماع کے بہت شوقین ہیں۔ تصوف کی اصطلاحات اور تصوف کے استعارات پر پورا عبور حاصل ہے اور صوفیانہ مسائل کو نہایت رنگین اور دلنشین عبارات سے ادا کرتے ہیں۔ حال وقال کی مجلسوں اور بزرگوں کے عرسوں میں پابندی سے شریک ہوتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کی حرکتیں کرتے ہیں۔ ان کی حرکات سے حاضرین اور سامعین عرس اور مجلس بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ حضرت کو فارسی کے عجیب غریب اشعار یاد ہیں جن کو دوران عُرس میں طرب خیز طریقے سے پڑھتے ہیں۔ آواز اچھی ہے۔ طرز ادا بھی پیارا ہے اس لئے سامعین بہت خوش ہوتے ہیں ریختہ گوئی میں اسم بامسمیٰ ہیں۔ بہت پرکیف مجلس ہوتی ہے۔ طالبانِ سلوک کے لئے آپ کی صحبت غنیمت ہے۔

شاہ غلام محمدؒ حضرت کی خانقاہ "طویلہ دار" کے قریب واقع ہے۔ ہر سہ شنبہ کو مجلس سماع منعقد ہوتی ہے۔ شہر کے قوال اور اہل ذوق حضرات جمع

ف۱ حضرت شاہ کمال کی نسبت بھی باوجود تحقیق و تفتیش کے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ کس سلسلے کے تھے، اور ان کا مزار کہاں ہے۔ حسن نظامی ف۲ ان کے حالات بھی کسی کو معلوم نہیں ہیں

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ہوتے ہیں۔ روحانی آدمی ہیں اور پیشانی بھی نورانی ہے۔ ان کی باطنی اور ذاتی خوبیاں ان کے کلماتِ طیبات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ اکثر خاموش رہتے ہیں اور خاموشی میں بھی عموماً مراقبے میں مصروف رہتے ہیں۔

ان کو سماع (قوالی) کا بہت شوق ہے اور اس لئے اپنے معتقد خاص تاج خاں قوال کے گھر میں ہر مہینے کی پانچویں تاریخ کو تشریف لیجاتے ہیں جہاں قوال مذکور ہمیشہ اس تاریخ کو مجلس کیا کرتا ہے۔ حضرت کی تشریف آوری سے مجلس میں بڑی رونق ہو جاتی ہے اور حضرت کے بے شمار عقیدتمند وہاں جمع ہوتے ہیں جن کو حضرت کے کلماتِ رنگین و دلچسپ سے بڑا حظ حاصل ہوتا ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا اور آپ کی صحبت سے فیض حاصل کرنا بسا غنیمت ہے۔

شاہ رحمت اللہ[1] رضی دہلی کے مشہور مشائخ میں ہیں ہر جگہ ان کا چرچا سُنا جاتا ہے دہلی کے عوام و خواص ان کی عقیدت سے مربوط اور وابستہ ہیں ان کے ہاں ہمیشہ حلقۂ ذکر ہوتا ہے اور قوالی کی مجلس بھی کرتے ہیں۔ چار دن خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ہر روز ایک ایک خاندان کی تعلیم و تربیت کے لئے نامزد کر رکھا ہے۔ عمر زیادہ ہے لیکن باوجود بڑھاپے کے تنومند اور طاقتور معلوم ہوتے ہیں۔ ریا اور نمائش سے بچتے ہیں۔ بلکہ لوگوں کی ملامت کے لئے کلال بچوں پر بہت مہربانی کرتے ہیں تاکہ عوام ان کو شراب کا شوقین خیال کریں[2]۔ معنوی کیفیات سے لبریز۔

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) نہ خانقاہ کا پتہ ہے نہ ٹھیلے دار محلہ موجود ہے۔ حسن نظامی

[1] حضرت شاہ رحمت اللہ کی بابت مصنف نے لکھا ہے کہ دہلی کے مشہور مشائخ میں ہیں مگر آج ان کو کوئی بھی نہیں جانتا کہ کس خاندان میں تھے اور ان کا مزار کہاں ہے حسن نظامی

[2] حضرت شاہ رحمت اللہ کے ذکر میں مصنف کا یہ لکھنا کہ وہ شراب فروش کلال بچوں پر مہربان تھے اور یہ مہربانی اس لئے تھی کہ لوگ ان کو بُرا کہیں اور وہ خود پسندی کے عیب

(بقیہ آئندہ صفحہ پر)

غریبوں کے ہمدرد اور ہمیشہ اہل حاجت اشخاص کی امداد فرماتے رہتے ہیں۔ اور جو سفارش چاہتا ہے اس کو محروم نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ مخلوق کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں اہلِ دہلی کے روحانی پیشوا اور واجب التعظیم ہستی ہیں۔

"دہلی کے حُسن پرست"

اعظم خاں حُسن پرست خان جہاں بہادر عالمگیری کا بھائی اور فدوی خاں کا لڑکا ہے دہلی کے بڑے امیروں میں ہے۔ رنگین مزاج اور بذلہ سنج ہے۔ فن موسیقی کا ماہر ہے۔ ہندوستان کے مطرب اور موسیقی والے اعظم خاں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ حُسن پرست ہے خوبصورت لڑکوں، نوخط امردوں اور ماہرو حسینوں کی محبت میں گرفتار رہتا ہے۔ اس کی جاگیر کی آمدنی کا اکثر حصہ حُسن پرستی کی نذر ہو جاتا ہے۔ جہاں کہیں کسی خوبصورت لڑکے کی خبر سُنتا ہے فوراً اُسکو حاصل کرنے یا اُس سے ملنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اپنا بنا لیتا ہے ایسے ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اور گناہ سے محفوظ رہیں۔ بعض فقراء کی ایک مشہور عادت ہی مگر غور طلب معاملہ ہے کہ مصنف صاحب ہر شخص کے تذکرے میں خوش جمال لڑکوں کا ذکر ضرور کرتے ہیں اسکی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ خود بھی سادہ رخوں کے دلدادہ تھے اور یا اُس زمانے میں ساری دہلی اسی بلا میں مبتلا تھی۔ ۱۲ ۔ ف اعظم خاں کی حُسن پرستی اور عیاشی اور ہوس رانی کے قصے پڑھ کر اب کسی کو مغل سلطنت کی تباہی کے اسباب معلوم کرنے کی ضرورت نہیں رہیگی۔ میاں اعظم خاں جیسے لوگوں نے قوم و ملک کی حکومت بھی برباد کی اور خود بھی ایسے نابود ہوئے کہ کوئی ان کی قبر کا نشان بھی نہیں جانتا اور نہ ان کی خوبصورت عورتوں اور خوش جمال لڑکوں کا کہیں نام و نشان باقی ہے فانظر کیف کان عاقبۃ الزناۃ واللواطہ (دیکھو زنا اور لواطہ کا کیسا بُرا انجام ہوا) حسن نظامی

اگر کسی خوش جمال عورت کا حال سُنتا ہے تو اُس کو بھی قبضے میں لانے کی کوشش کرتا ہے اور کسی نہ کسی طرح اس کو حاصل کر لیتا ہے۔ عشق بازی اور حُسن پرستی کے سلسلے میں نڈر اور بے خوف ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار روپیہ خرچ کر ڈالتا ہے۔ عیاشی اسکی زندگی اور امرو پرستی اس کا شعار اور زن پرستی اس کی عادت ہے۔ اس کی محفلِ نشاط میں منتخب حسینانِ جہان کا جمگھٹا رہتا ہے۔ اس کے محبوب لڑکے بن ٹھن کر عمدہ عمدہ سواریوں میں سیر کے لئے نکلتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے نہایت ہی اعلیٰ گھوڑے تیار رہتے ہیں۔ غرض یہ کہ لباس، کھانا، مکان اور ہر قسم کے عیش کا سامان ان لڑکوں کے لئے موجود رہتا ہے۔ دہلی کے بازار چتلی قبر میں اعظم خاں کی حویلی اب بھی ایک محلہ موجود ہے۔ حسن نظامی

اعظم خاں حُسن پرستی میں اتنا مشہور ہے کہ دہلی کا ہر امرد اور ہر نوخط اعظم خاں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ہر گلرُخ اور مستِ شباب عورت اعظم خاں کے دامن سے وابستہ سمجھی جاتی ہے اور اعظم خاں کی پوری زندگی عیاشی اور حظِ نفسانی میں گذرتی ہے

دوسرے حُسن پرست میرزا مُنّو[۱]

یہ حضرت بھی مشہور امیرزادے ہیں۔ اور حُسن پرستی اور امرو نوازی کے فن میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے ہیں بڑے بڑے نواب زادے اور دولت مند عشق باز میرزا مُنّو سے اس فنِ خاص کو سیکھتے ہیں۔ اور میرزا کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں۔ میرزا مُنّو کی محفلِ رندانہ تک اچھے اچھوں کی رسائی نہیں ہوتی۔ اور وہ میرزا کی صحبت کے لئے

---

[۱] الٰہی تیری پناہ۔ اعظم خاں کے بعد میرزا مُنّو کا حال پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو سو برس پہلے دہلی میں جو تھا وہ گویا اُردو زبان کے اس مقولے کا مصداق تھا کہ "لنکا میں جو ہے وہ باون گز کا ہے"۔ نواب صاحب نے اپنے چشم دید حالات لکھے ہیں اس لئے انکار کرنا تو مشکل ہے تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب نے ممکن ہے شاعرانہ مبالغے سے کام لیا ہو حسن نظامی

ترستے ہیں۔ میرزا کی محفل بہشتِ شداد کا نمونہ ہے۔ جہاں پری زاد غلمان، جادو نگاہ لڑکے اور خوبصورت مطربوں اور معشوقوں کا مجمع رہتا ہے۔

مشہور ہے کہ میرزا کی "بزمِ جمال" حُسن اور خوبصورتی کی امتحان گاہ ہے۔ کیونکہ میرزا عشق بازی اور حُسن پرستی کے فن میں اتنا کامل ہے کہ کسی حسین کا اس کے چنگل سے نکل جانا یا میرزا کا کسی حسین سے محبت نہ کرنا اُس حسین کے نقص کی علامت ہے۔ دہلی کی ہر حسین لڑکی اور ہر حسین لڑکے کا میرزا کے تعلق میں ہونا لازمی ہے۔ یہ مثل مشہور ہے کہ جوامرد میرزا مُشو کی محفل کی زینت نہیں وہ "عیار کامل" نہیں ہے اور اسکو معشوقیت کی تمیز نہیں ہے۔

تیسرا خوش باش لطیف خاں[1] } آداب رزم و بزم کا ماہر ہے۔ رئیس زادہ اور دوست نواز ہے۔ رات دن مجلس کی آرائش اور دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح میں مشغول رہتا ہے موسیقی اور راگ راگنیوں کا بیحد شوقین ہے

نعمت خاں جو شہرۂ آفاق ماہر موسیقی ہے اور جس کو راگ راگنیوں پر پورا عبور ہے وہ ہمیشہ لطیف خاں کی مجلس میں اپنے فن کے کمالات دکھایا کرتا ہے۔ اس کی آواز میں

---

[1] لطیف خاں کا تذکرہ ایسا ہے جس سے اُس وقت کے اُمرا اور وزیروں کی اخلاقی پستی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب بادشاہ رنگیلے پیا مشہور تھے تو ان کے وزیر اور امیر اور عام و خاص اور رعایا کے افراد جس قدر رنگین مزاج ہوں کم ہے۔ بادشاہوں کا اثر رعایا پر ہر جگہ پڑا کرتا ہے۔ تاہم پرانی مجلسوں اور محفلوں اور رہنمائیوں اور وضع داریوں کی جو تصویر نواب صاحب نے ساری کتاب میں خاص کر لطیف خاں کے تذکرے میں کھائی ہے وہ تہذیبِ قدیم کی ایک بے مثل یادگار ہے اور نواب صاحب کا موجودہ نسلوں کو ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے نہایت آزادی اور صفائی سے سب پوشیدہ باتوں کو قلمبند کر دیا ہے اس تذکرے کا ایک حصہ خارج بھی کر دیا گیا ہے کیونکہ اسکی اشاعت مناسب نہ تھی۔ حسن نظامی

بجد اثر ہے۔ مجلس کو اپنی خوش گلوئی سے تڑپا دیتا ہے۔ لطیف خاں کی مجلس رندوں اور مستوں کا جمگھٹ ہے۔ جہاں ہر وقت جام وساغر کا دور چلتا رہتا ہے۔ جس وقت مجلس گرم ہوتی ہے تمام حاضرین کے ہاتھوں میں نہایت قیمتی اور رنگین جام ہوتے اور شعر و شاعری کے چرچے رہتے ہیں۔ یار باش لوگ آپس میں ہنسی مذاق۔ قصّوں اور نقلوں سے مجلس کو زندہ کرتے ہیں۔ اور کسی موقع پر کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہونے دیتے۔ خود لطیف خاں اتنا مخلص اور احباب نواز ہے کہ اپنے دوستوں کی خاطر تواضع اور دلجوئی میں ذرا کسر نہیں کرتا۔ اس کی مجلس میں ہر شخص آسکتا ہے۔ اتنا بے تکلف ہے کہ جو شخص پہلی دفعہ اس سے ملتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ لطیف خاں سے اسکی قدیمی دوستی ہے۔ اور لطیف خاں کا برتاؤ ہر شخص کے ساتھ ایسا ہے کہ سب سمجھتے ہیں کہ لطیف خاں میرا ہی سب سے گہرا دوست اور یار غار ہے۔ ہر شخص کی خاطر کرتا ہے اور چاہے کوئی شخص اس کے ہاں سالہا سال تک مسلسل آتا رہے لطیف خاں اسکی خاطر مدارت میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی نہیں ہونے دیتا۔ جب کوئی شخص لطیف خاں سے ملتا ہے یا جب اس کی محفل گرم ہوتی ہے تو وہ ہر ایک کے آگے شراب ناب سے لبریز جام پیش کرتا ہے۔ اور ہر ایک کے سامنے نہایت پاکیزہ اور مطلا حقہ خوشبو میں بسا ہوا رکھا جاتا ہے۔ اور ہر ایک کے سامنے خوبصورت گلاب پاش قیمتی عرقِ گلاب سے لبریز رکھے جاتے ہیں۔ اور تمام مجلس قیمتی اور نفیس ترین چینی اور طلائی منقش اور مجلّا برتنوں سے آراستہ کی جاتی ہے جس میں کھانے پینے اور آرائشی تکلفات کے سامان ہوتے ہیں۔

اس کی محفل قیمتی قالینوں، بے نظیر فرشوں اور اعلےٰ آرائشی سامانوں سے ہر وقت جگمگاتی رہتی ہے اور ارباب مجلس بے تکلفی سے تہذیب کے دائرے میں مذاق کرتے رہتے ہیں۔ ہر ایک بذلہ سنجی، فقرہ بازی اور لطیفہ گوئی سے کام لیتا ہے۔ مجلس کے

تمام ارکان زندہ دل اور خوش طبع ہوتے ہیں۔

یہ محفل اکثر شام کو ہوتی ہے اور رات تک رہتی ہے۔ مجلس میں شہر کی مشہور مشہور طوائفیں بھی آتی ہیں اور گویّے۔ مُطرب۔ اور رقاص ہر وقت مجلس میں موجود رہتے ہیں اور بے فکری کا عالم ہر ایک پر طاری رہتا ہے۔

اب اگرچہ لطیف خاں کی شوکت و عظمت باقی نہیں رہی اور اس کی دولت بھی بادشاہی فتنوں کی وجہ سے برباد ہو گئی۔ لیکن پھر بھی لطیف خاں کی وضع داری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور گو کہ پہلے کی طرح ہجوم دوستاں نہیں ہے اور نہ وہ عیش و عشرت کی بہار ہے لیکن پھر بھی دوستوں کا خاصہ مجمع رہتا ہے۔ اور پہلے کی طرح مے نوشی کا دور چلتا رہتا ہے۔

لطیف خاں اپنی پچھلی شان شوکت کے جاتے رہنے سے مغموم نہیں ہے وہ ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتا ہے ؎

در حریم بزم مستاں دورِ صبح و شام نیست
گردش جام است اینجا۔ گردشِ ایام نیست

بسنت کے میلے

بسنت کے میلے دہلی کے تمام میلوں میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نرالے ہوتے ہیں۔ بسنت کے مہینے کی پہلی تاریخ کو

لے بسنت کے میلے اب بھی دہلی میں انہی تاریخوں پر ہر جگہ ہوتے ہیں۔ البتہ قدم شریف کی درگاہ میں پہلی سی دھوم دھام نہیں ہوتی اور درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ میں بسنت کا جلوس اس خاص مقام سے شروع ہوتا ہے۔ جہاں ساڑھے چھ سو برس پہلے حضرت بیٹھے تھے۔ اور حضرت امیر خسروؒ نے بسنت کے اشعار آپ کو خاص کیف کے عالم میں سُنائے تھے۔ ان مذکورہ میلوں کے علاوہ اب حضرت سرمد کے مزار پر اور سوئی والوں کے محلے میں بھی بسنت کا میلہ ہوتا ہے۔ بادشاہ کے ہاں بسنت کی تہنیت کیونکر ہو کہ اب بادشاہ موجود ہی نہیں ہے۔ اور انگریز افسروں کو اس قسم کے میلوں کا شوق نہیں ہے ؛؛ حسن نظامی

تمام دہلی والے حضرت سرور کائنات کے قدم شریف پر آتے ہیں اور صبح سے شام تک رہتے ہیں۔

قدم شریف کے آس پاس کے باغات اور میدان اور مکانات آدمیوں سے بھر جاتے ہیں۔ تمام لوگ زرق برق پوشاکوں میں ملبّس بڑے بڑے اہتمام سے آراستہ پیراستہ ہو کر آتے ہیں۔ قدم شریف کے صحن میں اور ارد گرد کے تمام مقامات پر ڈیرے ڈال کر رہتے ہیں۔ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لاتے ہیں اور اعلیٰ اور قیمتی فرش بچھاتے ہیں جس کے سبب ہزاروں رنگا رنگ کے فرش میدانوں اور باغات اور قدمِ مبارک کے صحن میں نظر آتے ہیں۔ جس پر اہلِ دہلی اپنی ٹولیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے خوش گپیوں اور تفریح میں مصروف ہوتے ہیں۔ لوگ صبح ہی صبح اس خیال سے آتے ہیں تاکہ وہ اپنا ڈیرا قدمِ مبارک کے صحن میں ڈال سکیں۔ تب بھی بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ ہزاروں اشخاص اسی تمنا سے آتے ہیں اور خاصہ ہجوم صبح صبح ہی ہو جاتا ہے۔ قدم شریف کے اندر اور باہر تمام دن قوالوں کا گانا ہوتا ہے اور مجرا بھی ہوتا رہتا ہے۔ ہزاروں قوال اور ہزاروں مجرا کرنے والے جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ زمزمہ سنجی کا ایک ایسا منظر دیکھنے میں آتا ہے جس سے روح میں وجد پیدا ہو جاتا ہے۔

قدم شریف پر زیارت کرنیوالوں کا بڑا ہجوم ہوتا ہے اور ہر شخص پھولوں کا گلدستہ اور خوشبو اور مٹھائی قدمِ مبارک پر چڑھانے کے لیے لاتا ہے۔ اور بہت سے ایسے بھی خوش اعتقاد لوگ ہوتے ہیں جو مجمع پر گلاب پاش سے عرق گلاب عرق بید مشک، عرق بہار اور عطریات چھڑکتے ہیں۔ اور لوگوں کے کپڑوں پر عطریات ملتے ہیں۔ اور جب خوبصورت لڑکیاں اپنے ہاتھوں میں گلاب پاش اور پھولوں کے گلدستے اور نذر نیاز کی مٹھائی لیکر قدمِ مبارک پر آتی ہیں تو مجمع میں خاصی ہلچل ہو جاتی ہے اور ہر شخص بڑی حیرت سے ان رہزنانِ عقل و ہوش کو تکتا ہے۔ قدم شریف میں اس کثرت سے

پھول آتے ہیں کہ تمام درگاہ چمنستان بن جاتی ہے - اور خوشبو کے چھڑکاؤ سے عجیب مہک پیدا ہو جاتی ہے - تمام درودیوار، تمام باغ باغیچہ اور تمام میدان اور مکانات خوشبو سے بس جاتے ہیں - ہوا کا ایک ہلکا جھونکا دور دور تک فضا کو معطر اور دماغوں کو تازہ کر دیتا ہے - جب قدم شریف میں میلے کا شباب ہوتا ہے تو منظر میں عجیب دلآویزی پیدا ہوتی ہے - کیونکہ ہر طرف حسینوں کا جمگھٹ، قوالوں کا شور، مطربوں کا رقص و سرود نقالوں کی نقل بازیاں ایک ایسا سماں ہوتا ہے جس کی کیفیت کسی طرح بھی الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتی - صبح کی نماز کے بعد سے عصر کے وقت تک یہی حال رہتا ہے - اس کے بعد لوگ فاتحہ درود پڑھ پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں -

دوسرے دن تمام دہلی والے حضرات خواجہ بختیار کاکی رضی کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں - اور تمام دن مزار کی زیارت کرنے، فاتحہ پڑھنے، سیریں کرنے میں گزارتے ہیں - بالکل قدم شریف کی طرح یہاں کا بھی منظر ہوتا ہے - شام کے وقت واپس ہوتے ہیں - اور راستے میں حضرت چراغ دہلی رض کے مزار پر چراغاں کرتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں -

تیسرے دن حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رض کی درگاہ معلیٰ میں خلقت آتی ہے - چونکہ حضرت کی درگاہ شہر سے قریب ہے اس لئے بے انتہا لوگ آتے ہیں - اور اس لئے بھی مجمع بہت زیادہ ہوتا ہے کہ سلطان جی سے تمام اہل دہلی کو بے انتہا عقیدت ہے اور وہ جوش محبت میں کھنچے کھنچے چلے آتے ہیں - درگاہ شریف میں مجلس سماع منعقد ہوتی ہے اور نامی گرامی قوال آتے ہیں - صوفیا اور اہلِ ذوق حضرات دن مجرد جاادر حال میں رہتے ہیں - اور مشائخ و فقرا بھی مراقبوں اور ذکرواذکار میں مشغول رہتے ہیں عام پبلک قوالیاں سُنتی اور تفریحیں کرتی ہے - یہ دن بھی بہت شان سے پورا ہوتا ہے -

چوتھے دن حضرت شاہ حسن رسول نما رضؓ کے مزار پر بسنت ہوتی ہے اور چونکہ یہ مزار وسطِ شہر میں واقع ہے اس لئے مجمع بھی بہت ہوتا ہے تمام راستے اور گلیاں اور مکانات کی چھتیں آدمیوں سے پُر ہو جاتی ہیں اور کہیں گنجائش نظر نہیں آتی۔ یہاں پر بھی دن بھر سیر و تفریح اور رنگ رلیاں ہوتی ہیں، اور زیادہ نقالوں کی نقل بازیاں ہوتی ہیں اور بڑے بڑے باکمال نقال جمع ہوتے ہیں۔

پانچویں دن حضرت شاہ ترکمان رضؓ کے مزار پر میلہ لگتا ہے، یہاں خاص طور سے حسینوں اور مہ جبینوں اور نظر فریب امردوں کا مجمع ہوتا ہے اور عیش و نشاط کے سامان زیادہ فراہم کئے جاتے ہیں۔ جس طرح رات کو تاروں کی چمک دمک آنکھوں کو بھلی لگتی ہے اسی طرح اس موقع پر حسینوں کی آن بان دل کو بھاتی ہے سارا دن نازک اور رنگین مخلوق کے ساتھ نظارہ بازی میں صرف کیا جاتا ہے اور قوالی بھی خوب ہوتی ہے۔

چھٹے دن امراء اور شہر کے معزز لوگ اور شہر کے منتخب حضرات، بادشاہ سلامت کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور بسنت کی مبارکباد دیتے ہیں۔

ساتویں تاریخ کی رات کو دہلی کے رنگین مزاج لوگ حضرت عزیزی کی قبر پر جاتے ہیں جو احدی پورے میں ہے اور یہ رات شراب پینے اور رقص و سرود کی محفلیں رچانے اور عیاشیاں کرنے میں گزارتے ہیں اور کمال یہ کہ شراب نوشی اور ناچ رنگ کے متعلق زائرین کا یہ اعتقاد ہے کہ اس سے حضرت عزیزی کی روح خوش ہوتی ہے غرض یہ کہ تمام رات یہاں عشرت پرستوں، نظارہ بازوں، اور حسینوں کا مجمع رہتا ہے، اور خواہشاتِ نفسانی بلا کسی محتسب کے خوف کے پوری کی جاتی ہیں۔

بحیثیت مجموعی بسنت کا یہ پورا ہفتہ بہت دلچسپ ہے۔ اس میں سیر و تفریح دلچسپی اور حسن پرستی کے پورے سامان موجود ہیں۔ وہ لطف جو ایک سال میں بھی

حاصل ہونا مشکل ہے وہ بسنت کے ایک ہی ہفتہ میں حاصل ہو جاتا ہے۔ بسنت کا اتنا شاندار اور رنگین پروگرام صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

میرن صاحب کی گیارھویں [1] میرن دہلی میں ایک مشہور رئیس زادہ ہے۔ اس کے ہاں ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو ایک شاندار مجلس منعقد ہوتی ہے۔ میرن وسعتِ اخلاق۔ کثرتِ تواضع مہمانداری اور انکساری اور آدابِ مجلسی میں بہت مشہور ہے۔ اور تمام رئیس زادے اس کی بزم آرائی اور مجلسی ہنرمندی پر رشک کرتے ہیں اور اس کو رقص و سرود کی محفلوں اور اربابِ رقص و نشاط کی مدارات کے سبب بدنام کرتے ہیں لیکن میرن کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ وزیر الملک میرن کا بڑا گہرا دوست ہے۔ کیونکہ وزیر الملک بہت عیاش اور حسن پرست ہے اور میرن وزیر کی خاطر مدارات کے لئے حسینوں اور خوش جمالوں کو فراہم کرتا رہتا ہے اور ہر روز ایک نئے مال سے وزیر کی خاطر کرتا ہے خود بھی بڑا عیاش اور نفس پرست ہے اور اپنے دوستوں کو بھی عیش پرستی کی دعوت دیتا اور ان کے لئے عیش کے سامان مہیا رکھتا ہے۔

میرن کے یار غار اور مخصوص آدمی ہمیشہ حسینوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ وہ بڑا دوست نواز ہے۔ اس کا مکان گلرخوں کے ہجوم کے سبب پرستان بنا رہتا ہے۔ اور اس کی بزم کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ ہر حسین صورت میرن کی صحبت کی آرزو رکھتا ہے اور ہر شوقین مزاج گل رعنا میرن کی مجلس میں شرکت کا

---

[1] میرن صاحب کی گیارھویں میں عمدہ چیزوں کے ساتھ خراب سامان کا شریک کرنا عذر جرم افسوسناک تھا۔ مگر بیچارے میرن کیا کرتے وہ تو وزیر صاحب کے لئے وہ چیزیں بھی مہیا کرتے تھے جو اُن کے میرن نام کی ہتک کرنے والی تھیں ایسے شخص کو گیارھویں کا نام بدنام کرنا زیبا نہ تھا۔ ۲: حسن نظامی

تنائی ہے۔اس کی عشرت گاہِ رنگین میں منتخب روزگار امرواور ہندو مسلمانوں کے مشہور مشہور خوبصورت لڑکے شریک ہوتے ہیں۔جب مہینے کی گیارہ تاریخ کو اس کی مجلسِ نشاط گرم ہوتی ہے تو جوق در جوق ناچنے اور گانے والے اور گانے والیوں کی شرکت ہوتی ہے۔صبح ہی سے لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ جاتا ہے اور قوال و نقال بھی اپنے کمالِ فن کی نمائش کے لئے کثیر تعداد میں آتے ہیں۔میرن مہمانوں کے لئے بڑے بڑے اوا علٰے اور قیمتی خیمے نصب کرتا ہے اور دور تک عمدہ قالین اور رنگین فرش بچھائے جاتے ہیں اور تمام شہر کے لوگوں کے لئے شرکت کی عام اجازت ہوتی ہے۔لیکن شہر کے منتخب منتخب لوگ زیادہ آتے ہیں اور انہی کا مجمع اس قدر ہوتا ہے کہ جگہ بھر جاتی ہے۔اس مجلس میں دہلی کے ایسے منتخب خوش جمال لڑکے جمع ہوتے ہیں جن کی نظیر دوسری کسی مجلس میں نہیں ملتی۔اور جن کے دیکھنے سے زاہد صد سالہ بھی توبہ شکن ہو جاتا ہے۔خیال تو کیجئے کہ چوٹی کے اعلٰے سے اعلٰے حسین ہیں۔رندانہ محفل ہے اور عیش و عشرت کے پورے سامان موجود ہیں۔پھر کون ہے جس کا دل اس وقت بھی قابو میں رہے۔اسی لئے حسن کا ہر پیاسا نظارۂ جاناں سے اپنی پیاس خوب بجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

میرن کی طرف سے تمام حاضرین کے لئے عمدہ سے عمدہ مدارات اور سامانِ طرب اور لطف تماشہ بالکل مُفت ہے۔یہ میرن کی سخاوت اور دریا دلی اور احباب نوازی کی ایک زندہ مثال ہوتی ہے کہ وہ اتنی بڑی مجلس کا انتظام خود کرتا ہے اور اخراجات سے گھبراتا نہیں۔جو لطف و سرور حاضرین کو اس مجلس میں آتا ہے وہ شاید کہیں نہیں آتا ہوگا۔چاہے وہ اتنے ہی نظارے کے لئے لاکھوں روپیہ خرچ کر ڈالیں۔تمام رات اعلٰے قسم کی روشنیوں سے بقعۂ نور بن کر جگمگایا کرتی ہے احاطۂ محفل کے باہر شہر کے دکاندار اور اہلِ حرفت اپنی اپنی دکانیں سجا کر لگاتے ہیں۔

جب محفل شروع ہو جاتی ہے۔ تو ہر ایک سلیقے سے بیٹھ جاتا ہے اور رقص و سرود اور ناچ و رنگ جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کو اطمینان سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا کہ سب لوگ گم سم بیٹھے ہوں بلکہ بیچ میں ہنسی مذاق اور ظریفانہ چٹکلے بھی چلتے رہتے ہیں۔ میرن ہر مہمان کی خدمت میں عمدہ کھانے، میوے اور عطر پان پیش کرتا ہے اور جو لوگ شراب پیتے ہیں ان کو اس کی بھی آزادی حاصل ہے۔ دہلی میں یہ محفل بہت مشہور ہے اور ہر ایک اس کی شرکت کی تمنا رکھتا ہے۔ کیونکہ یہاں اخلاق اور تمیز داری اور موسیقی کی کشش بہت زبردست ہوتی ہے۔

عرب سرائے میں بارھویں[ف]

عرب سرائے بادشاہی قلعے سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ اور اہلِ عرب کی سکونت کی وجہ سے جو بادشاہ کے خاص طور پر وظیفے خوار ہیں بہت مشہور ہے۔ تمام ماہِ ربیع الاول میں اور خاص طور سے ۱۲ ربیع الاول کو یہاں

[ف] عرب سرائے ایک پرانا قصبہ مقبرۂ ہمایوں کے جنوب میں واقع ہے جس کی شاندار چہار دیواری اور نہایت بلند دروازہ اب بھی موجود ہے۔ یہ سرائے اکبر کے زمانہ میں ہمایوں کی بیوی نے بنائی تھی اور عرب کے ملک سے بہت سے حافظِ قرآنِ مجید بلا کر اس سرائے میں آباد کر دیے تھے۔ اس سرائے میں ایک خوبصورت مسجد شاہی زمانہ کی اب بھی موجود ہے۔ جہاں یہ مجلس ہوتی تھی۔ اب عرب سرائے میدان ہے۔ نو سال سے اسکی آبادی یہاں سے ہٹا کر قریب ہی ایک نئی آبادی جنگ پورے میں آباد کر دی گئی ہے۔ اور یہاں شاید انگریزی گورنمنٹ کی کوئی عمارت بنوائی جائیگی۔ میرے بچپن میں صرف دو گھر عربوں کے اس سرائے میں باقی تھے۔ باقی سب ہندو مہاجن اور کمین ہندو و مسلمان اقوام آباد تھیں اب ایک گھر جنگ پورے میں چلا گیا ہے۔ اور ایک گھر دہلی کوچہ پنڈت میں آباد ہے۔ مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ اسی عرب سرائے کے عربوں کی اولاد تھے۔ یہ سرائے میری بستی کے سامنے واقع ہے۔ حسن نظامی

عجیب بہار ہوتی ہے اور بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ تقریباً دو ہزار عرب مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ مسجد بہت خوبصورت اور کشادہ ہے درمیان میں ایک بہت ہی خوبصورت حوض اور چاروں طرف پُر بہار باغیچہ ہے۔ سب عرب اور تمام مہمان اس مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ساری رات بڑی خوش الحانی سے عرب مولود خوانی کرتے ہیں اور حضرت سرورِ کائنات صلعم کی مدح میں عربی قصائد پڑھتے ہیں یہ قصائد بہت پر اثر اور شعرائے عرب کے منتخب ہوتے ہیں۔ ان عربوں کی آواز بہت دلنشین ہوتی ہے۔ جب عرب قصائد پڑھتے اور مولود خوانی کرتے ہیں تو صوفی لوگ وجد و حال میں آتے ہیں تمام مسجد میں ہر طرف درود کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور ہر جانب تسبیح و تہلیل کا ایک شور رہتا ہے ساری رات مولود خوانی اور قصائد پڑھنے میں گزرتی ہے اور جب صبح کے آثار ہویدا ہوتے ہیں تو سب عرب اور تمام حاضرین ختم کلام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ تمام عرب حافظ اور قواعد تجوید کے ماہر ہیں اس لئے جب وہ قرآن پاک کو عربی لہجے میں پڑھتے ہیں تو سننے والے پر ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ خاص طور سے صبح کی نماز میں ان عربوں کی تلاوت تو ہر سنگدل کو بھی موم بنا دیتی ہے۔ اہلِ شہر اور صلحاء اور علماء اس مسجد میں مجلس کے وقت دعائیں مانگتے ہیں۔

اہل عرب دنیا میں مہمانداری اور مہمانوں کی تعظیم و تکریم میں ضرب المثل ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اس سرائے کے عرب بھی قدیمی اخلاق اور قومی شعار سے پیش آتے ہیں۔ اور اپنے مہمانوں کی ہر ممکن خاطر مدارات کرتے ہیں۔ مہمانوں کا استقبال بڑی خندہ پیشانی سے کرتے ہیں۔ اور عرب کا تحفہ کھجوریں ہر مہمان کو کھلاتے ہیں۔ رات کے وقت انواع و اقسام کے عربی کھانوں سے ضیافت کرتے ہیں۔

قہوے کے بڑے پیالے جس میں شکر بھی ڈالی جاتی ہے خاص اہتمام کے ساتھ

مہمانوں کی خدمت میں لاتے ہیں۔ اگرچہ جو مہمان قہوے کے عادی نہیں ہوتے وہ قہوے سے انکار کرتے ہیں مگر عرب اصرار کرکے سب ہی کو اپنے ملک کا تحفہ پلاتے ہیں۔ میں بھی سید حشمت خاں صاحب کے ہمراہ گیا تھا اور ساری کیفیت آنکھوں سے دیکھی تھی۔ اُس دن میں نے اس شعر کے معنی صحیح طور سے سمجھے ؎

روزے بخانۂ عربی میہماں شدم چنداں خورند قہوہ کہ من قہوہ داں شدم

اہل دہلی کے لئے یہ عجیب پُر لطف جگہ ہے۔ کیونکہ یہاں مزے دار مہمانی بھی ہے اور عرب کے نمکین چہروں کی نظارہ بازی بھی ہے۔ اگرچہ عرب کے حسینوں میں ہندیوں جیسی تیزی۔ شوخی اور دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ ان میں ادائیں اور رعنائیاں ہوتی ہیں۔ تاہم وہ ملیحانِ عرب ہیں۔ اس لئے ان کی دید میں لطف ہوتا ہے۔

صبح سب لوگ باغات کی سیر اور قدیم عمارتوں اور بزرگوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہوئے واپس ہوتے ہیں۔

محفل خانِ زماں بہادر اگرچہ ۱۲ ربیع اول کو حضرت سرورِ کائنات صلعم کا عرس شریف دہلی میں ہر جگہ ہوتا ہے اور ہر جگہ چراغاں کیا جاتا ہے۔ اور ہر جگہ محفل سماع منعقد کی جاتی ہے۔ لیکن جس خاص سلوب سے خان زماں بہادر ۱۲ ربیع الاول کو مجلس منعقد کرتے ہیں وہ انہی کا حصّہ ہے خان زماں محمد شاہی امرا میں ایک بڑے امیر ہیں اور بارھویں کی محفل کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ اپنے مکان کے دیوان خانے میں ایک وسیع صحن کے سامنے جس میں حوض بھی ہے اور جو بہت وسیع اور خوبصورت جگہ ہے۔ بارھویں کی مجلس کے انتظامات خان زماں بہادر کی نگرانی میں وقت سے بہت دنوں قبل شروع کئے جاتے ہیں۔ اور محفل گاہ کو عمدہ طریقوں پر آراستہ ہے۔ رنگین اعلےٰ قالین اور اعلیٰ قسم کے فرش اور پھول اور گلدستوں سے مجلس سجائی جاتی ہے اور پھر

بارہ تاریخ کو لوگ جوق در جوق جمع ہوتے ہیں اور چاروں طرف بیٹھتے ہیں اور بیچ میں جگہ خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔ خان زماں صاحب اس خالی جگہ پر بیٹھ کر سب سے پہلے ایک متبرک صندوق کھولتے ہیں جس میں قدیم تبرکات محفوظ ہیں۔ اگرچہ خلقت کو باقاعدہ بٹھانے کے لئے بہت سے لوگ مقرر ہیں لیکن پھر بھی جب تبرکات دکھائے جاتے ہیں تو ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اس کو آنکھوں سے لگائے اور بوسہ دے۔ اور اس کوشش میں ایک خاصی ہل چل پیدا ہو جاتی ہے لیکن بعد کو سب لوگ اطمینان سے تبرکات کی زیارت کر لیتے ہیں۔ تبرکات کی زیارت کے بعد نمازِ مغرب کا وقت آجاتا ہے۔ سب لوگ نماز سے فارغ ہو کر پھر جمع ہوتے ہیں اور خلقت کا پہلے سے بھی زیادہ ہجوم ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں کو باقاعدہ بٹھایا جاتا ہے اور مجلس سماع منعقد ہوتی ہے۔ نامی گرامی قوال اور خوش گلو گوئیے خان زماں بہادر کے اشارے سے نغمہ خوانی کرتے ہیں اور اپنی درد بھری لے سے وہ سماں باندھتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ صوفیا حضرات کو حال پر حال آتے اور ہر طرف ہو حق سے ایک شورِ قیامت پیدا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ صاحب محفل بہت انتظام کرتے ہیں کہ مجمع قابو میں رہے۔ لیکن کون سنتا ہے۔ ذوقِ عقیدت میں سب لوگ بے خود ہوتے ہیں۔

کسل پورہ کسل سنگھ محمد شاہی ہزاریوں میں ہے۔ اور بلحاظ دولت و ثروت کے اپنے ہمجنسوں میں بہت ممتاز ہے۔ کسل پورہ اسی نے آباد کیا ہے۔

اس جگہ پر فاحشہ اور پیشہ ور بازاری عورتیں بسائی گئی ہیں اور ہر قسم کے نشے بھی یہاں علانیہ فروخت ہوتے ہیں۔ دہلی کے آوارہ منش اور اوباش باشندے اس مقام پر جمع ہوتے ہیں اور ان کو ہر قسم کی بیحیائیاں کرنے کی عام آزادی ہوتی ہے۔ محتسب (سرکاری انسپکٹر) بھی یہاں دخل نہیں دیتے۔ فاحشہ عورتیں یقیناً یہاں بسنے کو

چلتی پھرتی ہیں اور اپنے اپنے مقام پر بیٹھتی ہیں۔

کسل پورے کے ہر مکان میں ان کا اڈا ہوتا ہے۔ اور کسل سنگھ کے احباب کے لئے ان مکانوں میں جانے کی عام اجازت ہے۔ کسل پورے کی ہوا میں نفس پرستی بھری ہوئی ہے۔ جو شخص اس کے اندر جاتا ہے لازمی طور پر نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ شام کے وقت یہاں عجیب منظر ہوتا ہے اور اوباشوں کا ایک خاص مجمع ہوتا ہے۔ کسل پورے کے تمام مکانوں میں شام کے وقت ناچ و رنگ اور کھلی ہوئی حرامکاریاں ہوتی ہیں۔ اور اس لئے دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کا تعلق کسل پورے سے ہے وہ اکثر و بیشتر سوزاک اور آتشک جیسے شرمناک امراض میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ بہر حال یہ مقام آوارہ منشوں کی دنیاوی جنت اور عیش کدہ ہے اور کسل سنگھ اس مقام کے ذریعے خوب روپیہ کماتا ہے۔

سرائے خواجہ بسنت اسد خانی کے قریب ایک مشہور جگہ ہے جو ایک ناگل کے احاطے کی شکل میں ہے۔ بہت صاف اور دلکش مقام ہے اور مشہور ہے کہ یہاں کوئی بزرگ ناگل نامی مدفون ہیں۔ ہر ماہ کی ساتویں تاریخ کو دہلی کی تماشہ بیں اور آوارہ عورتیں خوب بن سنور کر جوق جوق زیارت کے بہانے سے یہاں آتی ہیں۔ حالانکہ ان کے آنے کا مقصد صاف لفظوں میں عشق بازی کرنا ہوتا ہے اور اسی طرح زیارت کے حیلے سے آزاد منش لوگ زیارت جاناں کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ ادھر نوجوان زرق برق پوشاک پہن کر اپنے آپ کو خوبصورت بنا کر آتا ہے۔ تاکہ عورتوں کو پسند آجائے۔ اور عورتیں بھی ہر ایک کے لباس اور طرح داری پر نظر رکھتی ہیں کہ کون اس قابل ہے کہ وہ اس کو اپنے لئے انتخاب کرے۔

یہاں دن بھر میلہ لگا رہتا ہے میلہ کیا ہوتا ہے نظروں کے تیر چلتے ہیں اور

عشق کے زخمی تڑپتے ہیں۔ نوجوان مرد اور نوجوان عورتیں بڑی آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مطلوبوں کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

امیر لوگ تو اگر کوئی پسند آگیا تو اس کو اپنے گھر لے جاتے ہیں اور غریب یا گھر سے غیر مطمئن لوگ جنگلوں اور معمولی آڑ میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ غرض گل کا میدہ آوارہ لوگوں کے لئے اچھی طرح کھل کھیلنے کا مقام ہے۔ اور کم از کم نظر بازوں کے لئے تو یہ مقام ضرور دنیا کی جنت ہے۔

اینی مہابت خاں کی ایک وسیع میدان ہے۔ یہاں کشتی کے شوقین نوجوان اور فیل تن پہلوان اور رنگین مزاج تماشہ بیں کثرت سے آتے ہیں اور آپس میں زور آزمائی اور کشتی گیری کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس طرح لڑتے ہیں کہ تماشائیوں کو حیرت ہوتی ہے۔ یہ نظارہ بھی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے کیونکہ پہلوانوں کی سینکڑوں جوڑیاں میدان کے ہر طرف لڑنے میں مصروف نظر آتی ہیں۔ اور کچھ لوگ اِدھر اور کچھ لوگ اُدھر ان کی کشتی دیکھنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ تمام میدان میں آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ اور جب سب کشتیاں ختم ہو جاتی ہیں تو حاضرین کی ضیافت مٹھائی سے کی جاتی ہے۔ ہر یکشنبہ کو دنگل ہوتا ہے اہل دہلی دنگل دیکھنے کے بہت شوقین ہیں۔ اور اکثر اس لئے بھی آتے ہیں کہ حسینوں سے نظارہ بازی کریں جو یہاں بکثرت جمع ہوتے ہیں۔

(مہابت خاں کی حویلی مسمار شدہ موجودہ جیل خانہ دہلی کے قریب بمبئی ریلوے پل کے سامنے سڑک کے شرق میں ہے۔ حسن نظامی)

دہلی کے شعراء

حضرت میرزا جان جاناں کی بہت نازک مزاج ہیں۔ بہت بلند خیال

اور اعلےٰ فکر والے اور جادو رقم شاعر ہیں۔ نہایت وسیع معلومات اور نہایت وسیع علم رکھتے ہیں۔ اور اپنے وقت کے اعلےٰ اور ممتاز شاعروں میں ہیں۔ کلام خاص و عام میں بہت مقبول ہے۔ جب کسی مجلس میں کلام پڑھتے ہیں تو مجلس بے تاب ہو جاتی ہے۔ پڑھنے کا لہجہ اور طرز ادا اتنا پیارا اور دلاویز ہے کہ جو شعر زبان سے نکلتا ہے وہ سامعین کے دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ ان کی گفتگو میں بھی بہت تاثیر ہے۔ صاف اور منجھی ہوئی زبان بولتے ہیں۔ ہر رنگ کی شاعری کرتے ہیں لیکن کمال عاشقانہ شاعری میں دکھاتے ہیں۔ ان کا کلام مجازی عشق و محبت سے پاک اور بے لاگ ہوتا ہے جو کہتے ہیں محبت الٰہی میں ڈوبا ہوا اور عشق حقیقی سے لبریز کہتے ہیں۔ یہ ایک کامل درویش اور عالم ہیں اور ان کی شاعری ان کے جذبات دلی کا آئینہ ہوتی ہے کہتے ہیں کہ حضرت میرزا جانِ جاناں تصوّف کے بلند مرتبوں تک پہنچے ہوئے ہیں ہزاروں لوگ حضرت کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن حضرت اس کی اجازت کم دیتے ہیں۔ دہلی کے بڑے بڑے نواب زادے اور اُمرا میرزا صاحب سے ملاقات کرنے کی آرزو رکھتے ہیں لیکن ان کو ملاقات کے لئے کوئی موقع نہیں ملتا۔ صرف جمعرات کے دن مسجد جہاں نما میں تشریف لے جاتے ہیں اور انھیں ملاقاتی آگھیرتے ہیں۔ سکونت پرانی دہلی میں ہے۔ لیکن مزاج میں تلوّن زیادہ ہے اس لئے مکانات بدلتے رہتے ہیں۔ بہت خوش خلق، وضعدار اور بامروت ہیں۔ ہر امیر و غریب کے ساتھ یکساں پیش آتے ہیں۔ فقیر بھی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ عجیب صاحبِ دل نیک سیرت باخدا اور بزرگ انسان ہیں۔ چہرے پر نور برستا رہتا ہے۔

(حضرت میرزا صاحب کے مفصّل حالات تذکرۂ آبحیات میں پڑھئے۔ ان کو عاشورے کے دن دہلی کے ایک شیعہ نے شہید کر دیا تھا مزار چتلی قبر خانقاہ میں ہے۔ حسن نظامی)

معنی یاب خاں } بادشاہ کے منتخب لوگوں میں ہے۔ رنگین مزاج ہے موسم بہار سے زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اگر یہ موسم اس کو تمام عمر کے لئے مل جائے تو یہ اپنی ہر عزیز ترین چیز قربان کر کے اس کو حاصل کرے۔ کلام میں بہت شوخی، اور چلبلاپن ہوتا ہے حسینوں کو مسخر کرنے کے فن میں پوری مہارت رکھتا ہے بہت عمدہ شاعر ہے۔ اور طرز ادا اور لہجہ بہت پیارا ہے۔ اور جب کسی کو اپنا کلام سناتا ہے یا کسی مجلس میں شعر خوانی کرتا ہے تو سب لوگ جھومنے لگتے ہیں۔

۲ر صفر کو جب کہ مرزا بیدل مرحوم کا عرس ہوتا ہے تو تمام شعراء دہلی مزار پر جاتے ہیں۔ اور میرزا بیدل مرحوم کے دیوان سے مشاعرہ اور شعر خوانی کا افتتاح کرتے ہیں۔ مرزا بیدل کی چند غزلوں کے بعد ہر شاعر اپنا منتخب کلام سناتا ہے۔ اور مجلس سے داد کی اُمید ہر شاعر کو ہوتی ہے۔ اس مجلس میں سب سے پہلے جو شخص اپنا کلام سُناتا ہے وہ معنی یاب خاں ہے اور سب لوگ معنی یاب خاں کو اسکی عظمت کلام کی وجہ سے آغاز کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس کے کلام میں سلاست اور روانی ہے۔ اب تک معنی یاب خاں کے کلام پر کسی نے کوئی تنقید نہیں کی کیونکہ وہ نکتہ چینی سے مبرّا سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر ذیل کے مطلع سے آپ نے مشاعرہ کا افتتاح کیا تھا ؎

به گلشن چشم شهلایت چو مے آشام می گردد دکانِ حسنِ خوباں تختہ جوں بادام می گردد

حزیں } اصلی باشندے ایران کے ہیں اور سیاحتِ عالم کے بہت شوقین ہیں چنانچہ دنیا کی سیاحت کرتے کرتے اب دہلی تشریف لائے ہیں اور یہیں مقیم ہو گئے ہیں۔ اور ہندوستان جنت نشان کے مہمان ہیں۔ عالی ہمّت۔ بلند حوصلہ روشن خیال اور دنیا کے مشہور شاعر ہیں۔ جہاں جاتے ہیں سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے ہیں اور جس سرزمین پر قدم رنجہ فرماتے ہیں وہاں کی افسردہ محفلیں زندہ ہو جاتی ہیں

اور شعر و شاعری کی دنیا جگمگا اُٹھتی ہے۔ متوکل اور مستغنی طبیعت کے آدمی ہیں۔ رنگین مزاج اور پاکیزہ دل و دماغ کے مالک ہیں۔

دہلی میں جہاں آپ کی قیام گاہ ہے وہ بہت پاک صاف اور شاعروں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ روزانہ بے شمار ذی استعداد لوگ آپ کی خدمت میں فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور اُمراء اور نواب زادوں کا ہجوم ہمیشہ آپ کے دولت کدے پر رہتا ہے۔ سہ پہر کے وقت حضرت حزیںؔ کا مکان خوب آراستہ کیا جاتا ہے۔ صفائی ہوتی ہے اور پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے، اور چوکیاں بچھائی جاتی ہیں جن پر عمدہ اور اعلےٰ قالینوں کا فرش ہوتا ہے اور دہلی کے نکتہ سنج شعراء اور ارباب ذوقِ سلیم جو حضرت حزیں کی مجلس کا ایک لازمی حصہ ہوگئے ہیں بلاناغہ روزانہ آتے ہیں اور ایک بہت شاندار مجلس منعقد ہوتی ہے۔ پھر سب لوگ شعر خوانی کرتے اور اپنا اپنا کلام سُناتے ہیں۔

حضرتِ حزیں کی صحبت سے استفادہ کرنا ہر شخص اپنا فخر سمجھتا ہے اور ان کی مجلس میں بذلہ سنجی اور شاعرانہ لطیفہ گوئی ہوتی رہتی ہے۔

جب حضرت حزیں اپنا کلام سُناتے ہیں تو ہر شخص نہایت ادب سے سُنتا ہے۔ آپ نہایت رعنائی اور خوش ادائی سے اپنا کلام پڑھتے ہیں۔ یہ کہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ آپ کا کلام کیسا ہوتا ہے۔ ایک موقع پر آپ نے حسب ذیل رباعی پڑھی تو مجلس میں شورِ تحسین و آفرین اور دادِ سخن سے ایک قیامت برپا ہوگئی تھی وہ رباعی یہ تھی ؎

آہ دل سوختگاں متصل آید بردل — شعلۂ شمع مسلسل نہ دل آید بردل
اشکِ گلرنگ بصد خونِ دل آید بردن — این گہر نیست کہ نشمردہ بخاک افشانم

دعلی حزیں کی قبر بنارس میں ہے جہاں یہ دہلی سے جاکر آباد ہوگئے تھے

اور یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

از بنارس نہ روم معبد عام است ایں جا ہر برہمن بچہ لچھمن و رام است ایں جا

حسن نظامی

سراج الدین خاں آرزو دہلی بلند پایہ شاعر ہیں۔ گفتگو بھی بہت پُر تاثیر ہے۔ بات کرتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ آپ کا کلام آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ بہت نازک خیال ہیں غور و فکر کے بعد شعر کہتے ہیں۔ آپ کے اشعار جگر کے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں۔

آپ کی محفل بھی ہمیشہ گرم رہتی ہے اور شاعروں اور سخنوروں کا ہمیشہ مجمع رہتا ہے۔ دہلی کے تمام ادبی دلچسپی رکھنے والے لوگ آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھانا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ آرزو صاحب درحقیقت دہلی کی تمام انجمنوں اور شعر و شاعری کی محفلوں کی روح رواں اور چشم و چراغ ہیں۔ شہر کے جس حصے سے گزرتے ہیں انگلیاں اُٹھنے لگتی ہیں اور جس بزم میں جاتے ہیں ہر جگہ ان کا خیر مقدم کیا جاتا ہے لیکن یہ لوگوں سے کم ملتے ہیں۔ حضرت مرزا بیدل رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ہیں اس لئے حضرت بیدل کے عرس میں ہمیشہ تشریف لے جاتے ہیں۔

ان کے کلام کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے ؎

زبس بروند با خود در لحدہم رنج مخموری سبز لوح مزار میکشاں از شیم انگورے

میر محمد افضل ثابت دہلی کے ممتاز شاعروں کی اعلیٰ صف میں ہیں اور بلند خیال انشاپرداز ہیں۔ صوفی اور صاحبانِ وجد و حال آپ کے کلام بلاغت نظام پر وجد کرتے ہیں۔ یہ بہت سنجیدہ ہیں۔ ان کے اشعار بہت مشکل اور دقیق ہوتے ہیں۔ دہلی کے تمام شاعروں نے آپ کو اُستادِ فن تسلیم کیا ہے امیر اور نواب زادوں سے بے نیاز اور بے تعلق رہتے ہیں۔ متوکلانہ اور درویشانہ زندگی

بسر کرتے ہیں۔ دنیاوی حالت اچھی نہیں ہے۔ اکثر فقر و فاقہ سے زندگی بسر کرتے لیکن اس حال میں بھی خوش اور صابر و شاکر ہیں۔ دنیاوی مشکلات سے کبھی نہیں گھبراتے اور بُرے سے بُرے وقت میں بھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور نہ امیروں کے تحفے قبول کرتے ہیں۔ ہمیشہ شعر کہنے اور تصنیف و تالیف کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ علم تصوف میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں ایک کتاب تو بہت ہی لاجواب اور انتخاب یادگار ہے۔

آپ کے چند لائق شاگرد بھی ہیں۔ جو انشاء اللہ آپ کے بعد آپ کے نام کو زندہ رکھیں گے۔

ثابت صاحب بوڑھے ہیں اور اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ختم کر چکے ہیں، ایک رباعی ان کے کلام کی نمونہ کے طور پر درج کی جاتی ہے ؎

کشند چو صبح وصالِ تو شمع جانِ مرا ۔۔۔ بہ بر شہید پروانہ استخوان مرا
نگیں زصفحہ چو برخاست نام چہرہ کشود ۔۔۔ جُدا شدن ز تو پیدا کند نشانِ مرا

ایک دیوان بھی حضرت کی یادگار موجود ہے۔

ابراہیم علی خاں اقمؔ حاجی محمد شفیع خاں عالمگیری کی اولاد میں ہیں۔ بدیہہ گوئی میں تمام شعراء میں ممتاز ہیں اور بذلہ سنجی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ کلام رنگین اور دل نشین ہوتا ہے۔ اگرچہ بہت غریب اور مفلوک الحال ہیں۔ اور گردشِ ایام سے بہت پریشان حال ہیں۔ رہائش بھی بہت معمولی ہے لیکن صابر و شاکر ہیں اور اپنی زبوں حالی کا شکوہ کسی سے نہیں کرتے۔

ان کے ہاں مشتاقوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے۔ اور دور دور سے لوگ فیض صحبت حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ چونکہ مصیبت زدہ اور پریشان حال

ہیں اس لئے طبیعت میں سوز و گداز زیادہ ہے۔ اور کلام بھی درد بھرا ہوتا ہے جیسا کہ ذیل کی رباعی سے معلوم ہوگا:۔

بیکسی گشت کسے می خواہم | نفسے ہم نفسے می خواہم
نالۂ دل چہ قدر ہرزہ دراست | آہ فریاد رسے می خواہم

میر شمس الدین مفتوں کہ بود و باش بہت سادہ ہے، سلیقۂ گفتگو میں شہرۂ آفاق ہیں۔ بقدر احتیاج لوگوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ کم یا زیادہ خدا دیتا ہے اُس پر قانع ہیں۔ قدما کی طرح کلام کی مشق کی ہے اور بالکل پرانے شاعروں کی طرح کلام کا رنگ ہے۔ ناصحانہ اور اخلاقی شاعری میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ آجکل مفتون صاحب کا یہ شعر عوام اور خواص سب کی ورد زبان رہتا ہے ؎

در جہاں کار بتعجیل نہ گیرد صورت | بہ چہل سال سرشتند گِلِ آدم را

میرزا عبد الخالق وارستہ کہ بہت اعلیٰ منصب پر مامور ہیں اور دہلی کے امیر کبیر ہیں لیکن مزاج میں باوجود دولتمندی کے کبر و غرور نام کو بھی نہیں ہے۔ درویشانہ مزاج اور درویشانہ اخلاق ہیں اور بہت اعلیٰ خیال شاعر ہیں۔ ابھی حال میں آپ نے ایک مکان تعمیر کروایا ہے جو نہایت خوبصورت اور آراستہ اور عالی شان ہے۔ چنانچہ مکان کی تعریف میں وارستہ صاحب نے خود ہی ایک رباعی کہی ہے اور وہ یہ ہے:۔

ایں خانہ کہ چوں خلد بہار آئین است | مانند مکان دیدہ نور آگین است
نوارۂ حوض و نہر و گل در نظر است | ایں تازہ رباعی چہ قدر رنگین است

اس مکان کے وسط میں ایک بہت بڑا آئینہ نصب کیا گیا ہے۔ جس کے اطراف میں وارستہ صاحب نے ذیل کی رباعی لکھوادی ہے:۔

این آئینہ حلب نسب نو نژاد — چوں مہر بروئے صبح آغوش کشاد
جاکرد چو در چشم دلش صورت دوست — حیرت زدہ شد پشت بہ دیوا استاد

مکان رنگین پردوں اور اعلےٰ فرشوں اور قیمتی برتنوں اور آئینوں سے سجا ہوا ہے اور ہر چیز اپنی جگہ پر بہت خوبصورتی سے رکھی گئی ہے۔ اس مکان میں وارستہ صاحب نے دوست واحباب کی نشست و برخاست کا عمدہ انتظام کیا ہے۔ ہمیشہ دوست واحباب شاعروں اور سخن سنجوں کی محفل گرم رہتی ہے' وارستہ صاحب تمام حاضرین مجلس کی خاطر ومدارات حقہ۔ قہوہ۔ معجون اور عطریات اور دیگر چیزوں سے کرتے ہیں۔ نازک خیال ہیں اور قدیم شعراء کی طرز پر کہتے ہیں اور جب اپنے اشعار خود پڑھتے ہیں تو مجلس پر خاص اثر ہوتا ہے اور ہر طرف سے مرحبا اور تحسین کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ بندے سے وارستہ صاحب ہمیشہ خلوص اور محبّت کے ساتھ پیش آتے ہیں اور خاطر ومدارات میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے مجھ کو وارستہ صاحب کا کلام بہت پسند ہے لیکن ذیل کے شعر میں معلوم نہیں مجھے کیوں خاص لطف آتا ہے۔

رقیب آخر نماید بر شماہا جور برما ہم — شمالے گلرخاں بندید بر قتلش کمر با ہم

گرامی کشمیر جنت نظیر کے شاعروں میں ہیں۔ اگرچہ مولوی صفت ہیں لیکن ذوقِ شاعری سے خالی نہیں ہیں۔ اپنے کلام کا مجموعہ ہمیشہ بغل میں دبائے پھرتے ہیں۔ اور شاعروں کی مجلس میں بڑی شد ومد اور بلند آہنگی سے بحثا بحثی کرتے ہیں۔ اور دعویٰ یہ ہے کہ ان کے سارے اشعار منتخب ہیں۔ دیوان میں جا بجا رطب ویابس جو کچھ بھرا ہو اُس کو سراسر بہتر اور شاعری کی معراج بتلاتے ہیں اور بدیہہ گوئی کے دعوے میں اس قدر غلو ہے کہ شاعرے کو مناظرے کی حد تک پہنچا دیتے ہیں۔ بہرحال خوش فکر شاعر ہیں اور مشاعروں میں اکثر ان کو

داد بھی ملتی ہے۔

مرزا ابو الحسن آگاہ } عظیم اللہ خاں کے دوستوں میں ہیں اور تمام شاعروں میں سب سے زیادہ رنگین مزاج ہیں۔ حضرت مرزا بیدل رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں اشعار پڑھتے ہیں۔ کسی محفل میں اگر کوئی جمال رنگیں موجود ہو تو ان کی شاعری خاصی جوشیلی اور طرحدار ہو جاتی ہے۔

حسینوں سے تعلقات قائم کر کے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ذیل کے شعر سے کلام کا اندازہ ہو سکے گا:۔

غم دور دِ تو ازاں روز کہ مہمانِ من است   دل نمک سود کباب ست کہ در خوانِ من است

حلیمہ } عرب کے مشہور بیٹو اسحاق کی طرح ان صاحب کی بھی شاعری پیٹو ہے ان کی پروازِ فکر روٹی۔ فیرنی اور سالن کی آب و تاب کے بیان تک محدود ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت میں بجز مطبخ اور کھانوں کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے بجز مطبخ اور کھانوں کے کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ جب شعر پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی مطبخ کا باورچی بول رہا ہے یا کسی مکلف دسترخوان کی خوشبو آ رہی ہے۔ نمکین چیزوں کی تلاش اور شیریں خوانوں کی جستجو میں ہمیشہ غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ عجیب ظریف طبع شاعر ہیں۔ گو کہ عرب زادے ہیں لیکن شاعری سے پورا لگاؤ ہے اگلے اور پچھلے لوگوں کے تقریباً پچاس ہزار اشعار یاد ہیں۔ جب کسی مجلس میں جاتے ہیں تو خوب اکڑتے ہوئے۔ آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

چوں مگس بر خوانِ ہر کس می رود   بے تکلف سخت مبرم پیشہ است

مرثیہ خوانوں کا بیان

پسر لطف علی خاں } کی ظاہری صورت اتنی بری ہے کہ اس سے کچھ بھی قابلیت

اور علمیت ظاہر نہیں ہوتی۔ نہایت بدصورت اور بدانداموں ہیں لیکن مرثیہ اور منقبت خوانی میں اتنا کمال حاصل ہے کہ اُس کا جواب نہیں۔ اکثر ریختہ (اُردو) میں منقبت کہتے ہیں۔ مرثیہ سوز و گداز اور غم والم سے لبریز ہوتا ہے۔ جاوید خاں کے عاشور خانے میں عموماً پڑھتے ہیں۔ جبکہ وہاں زائرین تعزیہ داری کی رسومات ادا کرنے آتے ہیں۔ خدا نے اگر حسنِ صورت نہیں دیا تو حسنِ سیرت و معنی عطا فرمایا ہے۔

(اب دہلی میں ان کا نام کوئی نہیں جانتا۔ حسن نظامی)

مسکین۔ حزین۔ غمگین } تینوں بھائی ہیں اور ریختہ زبان میں مرثیہ کہنے میں مہارت رکھتے ہیں اور تمام جگہ ان کی شہرت ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ تینوں بھائی خوب مرثیہ پڑھتے اور کہتے ہیں۔ حسرت اور الم کے مضامین کو پرورد الفاظ میں اس خوبی سے باندھتے ہیں کہ سبحان اللہ۔

وہ لوگ جو مرثیہ کہنے کے شوقین ہیں ان تینوں حضرات کی خدمت میں رہ کر اصلاح لیتے اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا پڑھنے کا طرز بھی عجیب ہے۔ اور تخیل بھی نرالا ہے حسنین علیہم السلام کے ساتھ خلوص و محبت سے اظہار اور تعزیہ کی حمایت میں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے۔

شہر کی معین مجلسوں میں مرثیہ پڑھتے ہیں اور ہر جگہ نہیں جاتے۔ ان کی آمدنی کافی ہے۔ جب یہ تینوں بھائی کسی مجلس میں مرثیہ پڑھنا شروع کرتے ہیں تو ہر طرف غم والم اور آہ و بکا کا شور بلند ہو جاتا ہے اور سب طرف لوگ زار و قطار رونے لگتے ہیں۔ انہی کا ایک شعر ہے کہ ؎

ہر کہ آرد خبر دوست دل انداما برد
ماند انیم نسیم و نشاسیم صبا

(افسوس اب ان تینوں بھائیوں کا نام و نشان کسی کو یاد نہیں ہے۔ حسن نظامی)

میر عبداللہ حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ کے تعزیہ داروں میں ہے۔ اور حزین و ندیم کے مرثیوں کو بڑی پُر درد اور پر سوز آواز سے پڑھتا ہے اور تمام مجلس کو تڑپا دیتا ہے۔ لوگوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی ہیں اور آنسوؤں کا سیلاب بہنے لگتا ہے۔ اس کی مرثیہ خوانی میں خاص کمال یہ ہے کہ یہ ہر بند اور ہر شعر کے پہلے ہی مصرع کو کچھ اس درد آمیزی سے پڑھتا ہے کہ لوگ دوسرا مصرع سننے سے قبل ہی رونے لگتے ہیں۔ اور اس کے مرثیوں کا مضمون اس قدر واضح ہوتا ہے کہ پہلے ہی مصرع سے لوگ آگے کے اشعار کا مضمون سمجھ جاتے ہیں۔ دہلی کے تمام لوگ اور تمام شعراء اور تمام موسیقی داں اس بات پر متفق ہیں کہ مرثیہ خوانی کا یہ کمال آجتک کسی کو نصیب نہیں ہوا اس طرز خاص کا یہی موجد اور یہی خاتم ہے۔ ماہ محرم میں جن جن لوگوں کے ہاں تعزیہ داری ہوتی ہے وہ مرثیہ پڑھنے کے لئے میر عبداللہ کو بلاتے اور بہت اصرار کرتے ہیں۔ اور جہاں یہ پہنچ جاتا ہے خلقت ایک پر ایک ٹوٹنے لگتی ہے۔ اور عام خیال یہ ہے کہ میر عبداللہ کی زبان سے مرثیہ سننے میں بہت ثواب ملتا ہے۔ میر عبداللہ کے دوست واحباب بہت ہیں۔ رنگین مزاج ہے۔

عاشورے کے دنوں میں ان کے ہاں امراء اور حسینوں کا بڑا مجمع رہتا ہے اور اکثر تو مرثیہ خوانی کی تاثیر اور تحقیق کی غرض سے آتے ہیں۔ قوال اور گویئے بھی میر عبداللہ کو گھیرے رہتے ہیں۔ اپنے کمال کو سمجھتا اور اپنی قدر خود کرتا ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں کے سامنے اپنی تعریف کے پل باندھا کرتا ہے لوگ اس کی خودستائی کے سبب اس کو برا بھی کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ واقعتاً صاحب کمال ہے اس لئے کسی کی پروا نہیں کرتا۔

(نواب صاحب نے اپنے ذوق کو عاشور خانے میں بھی تلاش کر لیا۔ حسن نظامی)

شیخ سلطان کی اصلی مکان تو پورب ہے لیکن تلفظ اور لہجہ بالکل دہلی کے فصیحوں کی طرح ہے۔ مرثیے کو بڑی شان اور آب و تاب سے پڑھتا ہے۔ اسکی آواز میں پتھر کو موم کر دینے کا اثر موجود ہے۔ اگرچہ وہ فن موسیقی سے واقف نہیں ہے اور نہ وہ عام مرثیہ خوانوں کی طرح تکلف اور موسیقیت سے کام لیتا ہے۔ لیکن اُس کی سادگی اور بے تکلفی ہی میں اتنا اثر ہے کہ لوگ قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اور ہر شخص کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے شیخ سلطان کی مرثیہ خوانی اور خلقت کی آنکھوں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ جب ایک دوسرے کو دیکھیں تو رو دیں۔ تڑپ اُٹھیں اور بیقرار ہو جائیں تمام ہی عاشور خانوں میں مرثیہ خوانی کے لئے جاتا ہے۔ اور سب کو رُلاتا ہے۔

(نواب صاحب کا یہ طرز ادب بے مثل ہے۔ حسن نظامی)

میر ابو تراب کی فن موسیقی کا ماہر ہے۔ اور مرثیہ پڑھتا ہے۔ آواز میں درد اور لہجے میں رقت انگیزی ہے۔ جہاں جاتا ہے عزت کی جاتی ہے۔ اور تعزیہ دار اور اہل مجلس اس کو سر پر بٹھاتے ہیں۔

میرزا ابراہیم کی اس کی مرثیہ خوانی میں جوشیلا پن بہت ہے۔ گو اس کی آواز میں درد اور گداز پن بھی کم نہیں ہے۔ اور جب یہ مرثیہ پڑھتا ہے تو پہلے لوگ جوش میں بھر جاتے ہیں اور پھر جب یہ ذرا درد انگیز پہلو بدلتا ہے۔ تو لوگ اس قدر روتے اور چیخیں مارتے ہیں اکثر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ بہت ذی وقار اور باعزت ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ لوگوں کے لئے ایک مصیبت ہے۔ کیونکہ لوگ اس کا مرثیہ سننے پر مجبور ہیں۔ اور اس کی مرثیہ خوانی کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگوں کو بیہوش کر دیتا ہے۔

(نواب صاحب کی تعریف کا یہ بالکل نیا انداز ہے۔ حسن نظامی)

میر درویش حسین کی جناب خامس آل عبا کے تعزیہ داران قدیم میں ہیں۔ مرثیہ خوانی کے فن سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور ہمیشہ تعزیت کی مجلسوں میں

مرثیہ خوانی کے لئے بُلایا جاتا ہے ۔ میر عبدالرشید باوجود خود اُستاد اور اہلِ کمال ہونے کے میر درویش حسین کی تعریف کرتا ہے ۔ پبلک پر میر درویش حسین کا بہت اثر ہے اور جہاں جاتا ہے لوگوں کو رُلاتا اور تڑپا دیتا ہے ۔ آواز میں عجیب اثر ہے جس سے آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے ۔

جانی حجام } اگرچہ حجام ہے لیکن مرثیہ خوانی میں کامل ہے ۔ دل پر ایسے کچو کے لگاتا ہے ۔ اور ایسے نشتر مارتا ہے کہ اہل مجلس فرط غم سے دیوانے ہو جاتے ہیں اسکا طرز سب سے نرالا ہے ۔ کیونکہ خاص رلانے اور تڑپانے میں یہ سب سے بڑھا ہوا ہے بڑا رنگین مزاج ہے ۔ نوعمری میں حسین تھا اور امراء کے دور میں ایک رئیس زادے کی معشوقی میں تھا ۔ اور حسن و جمال میں بہت مشہور تھا ! میر عاشق نے اسکو ایک لاکھ روپیہ دیکر محبوب بنایا تھا ۔ اور ہمیشہ نا و نوش کی محفلوں میں مرکزِ نگاہ بن کر بیٹھا کرتا تھا ۔ لیکن اب وہ جاہت کا زمانہ گزر گیا ۔ اب بیچارے پر مفلسی کا دور ہے ۔ رقص و سرود کی محفلوں میں پابندی سے شریک ہوتا ہے ۔ اور موسیقی میں بھی کمال رکھتا ہے ۔ خیال اور جنگلہ کو خوب گاتا ہے ۔ اور نمرود اور صابر زندگی بسر کرتا ہے ۔

(نواب صاحب کے کمال کا کیا کہنا ۔ ہر امر دکی تاریخ تلاش کرتے رہتے تھے حسن نظامی)

محمد نعیم } مشہور مرثیہ خوان ہے ۔ اور غم انگیز مضامین اور رقت انگیز الفاظ اور استعارات اور تشبیہات کے استعمال میں بہت باکمال ہے اور مرثیوں میں تضمین کرنے میں بھی اسکو دہارت حاصل ہے مرثیے اور تضمین کا ہر ہر لفظ درد اور اثر میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے ریختہ اور مرثیہ خوانی میں بھی بے نیظر اور اُستادِ وقت ہے ۔ اور پھر مرثیہ پڑھنے کا طریقہ اور لہجہ اور آواز بھی سبحان اللہ عجیب اور پُر تاثیر ہے ۔ غرض محمد نعیم کی ذات عجیب طرفہ اور کمالات کا مجموعہ ہے ۔

(ہائے دہلی تو کیسی اُجڑ گئی۔ ان صاحبِ کمال لوگوں کی، اب کوئی نشانی بھی باقی نہ رہی۔ حسن نظامی)

اربابِ طرب کا بیان

نعمت خاں بین نواز } ہندوستان میں نعمت خاں کا وجود ایک نعمت ہے فن موسیقی اور نغمیات کے ایجاد کرنے میں یگانۂ روزگار ہے۔ بڑی بڑی طوائفیں اس کی ہم نشینی پر فخر کرتی ہیں اور وہ موسیقی کے ذریعہ بڑے نازک نازک جذبات کو ادا کرنے پر قادر ہے۔ قابل آدمی ہے کئی زبانوں میں مختلف علوم پر تصانیف کر چکا ہے لیکن اس وقت وہ بحیثیت ایک موسیقی کے اُستاد کے تمام دہلی کے مغنیوں کا سرخیل ہے اور اتنا خوددار ہے کہ بجز بادشاہ کے کسی کی فرمائش کو قبول نہیں کرتا۔ بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہوتا ہے۔ اور خود ہر مہینے کی بارھویں کو مجلس منعقد کرتا ہے۔ جس میں دہلی کے امراء اور رؤساء اور سب اعیانِ شہر آتے ہیں۔ اور صبح ہی سے لوگ آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور شام تک محفل بالکل بھر جاتی ہے، اور تل دھرنے کو جگہ نہیں رہتی۔ بارھویں کو مجلس تمام رات رہتی ہے اُس وقت نعمت خان اپنی استادی کے جوہر دکھاتا ہے۔ مختلف راگوں اور راگنیوں اور سُروں میں گانا جادو سے کم اثر نہیں کرتا۔ اور جو کمال نعمت خاں کو بین بجانے میں حاصل ہے۔ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ایسا جادوگر بین نواز آج تک نہ پیدا ہوا ہوگا۔ اور نہ پیدا ہونے کی امید ہے۔ جس وقت وہ بین بجاتا ہے۔ اور بین کے سُروں سے دنیا پر جادو کرتا ہے۔ تو مجلس کا عجیب عالم ہوتا ہے۔ لوگ ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگتے ہیں سے

مطربِ ایں بزم از بس راہِ دلہا میزند
دست بر طنبور و ناخن بر دلِ ما میزند

جب تک بین بجتی رہتی ہے، یا وہ موسیقی کی تانیں اڑانے میں مصروف ہوتا ہے۔ تو لوگ بے حال رہتے ہیں۔ اور کسی کو کسی کا اور خود اپنا ہوش نہیں رہتا لیکن جب نغمۂ موسیقی ہلکا ہوتا ہے۔ تو ہر طرف سے واہ واہ اور مرحبا اور تحسین اور احسنت کے اتنے بلند اور کثیر نعرے بلند ہوتے ہیں کہ تمام فضا گونج اٹھتی ہے۔

نعمت خاں موسیقی کی ہر طرز سے واقف ہے۔ اہلِ دہلی کی آنکھوں کا تارا اور منظور نظر ہے ؎

عالم آنست می گویم بآواز بلند
آشنائے بادہ را باید کدو بر داشتن

نعمت خاں کا بھائی } نعمت خاں کا بھائی بھی اپنے شہرہ آفاق بھائی کی طرح موسیقی کا ماہر ہے۔ اور اس کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ گھنٹوں تک ایک ہی باجہ کو اور ایک ہی آلۂ موسیقی کو کئی طریقوں سے بجاتا رہتا ہے۔ بڑا صاحب استعداد ہے۔ ایسا کوئی بھی شخص دہلی اور اطراف میں نہیں ہوگا۔ جو ایک ہی وقت میں مختلف باجوں کو کئی کئی طرح اس صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ بجا کر دکھلائے۔ جیسا کہ نعمت خاں کے بھائی کا کمال ہے۔ اور اس کا دوسرا کمال یہ ہے جس کو موسیقی داں حضرات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ تین تار کے باجے پر سینکڑوں راگ راگنیاں اور سُروں کو بجاتا ہے۔ اور خود نئی نئی راگنیاں ایجاد کرتا ہے۔ یہ بالکل ناممکن چیز ہے۔ جسکو موسیقی شناس بھی ناممکن اور مشکل کہتے ہیں۔

اس کے پاس تین تاروں کا ایک ساز ہے جو عجائبات موسیقی میں شمار کیا جاتا ہے۔ فقیر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ بہت خاطرداری اور اخلاق سے پیش آئے تھے۔ اور ایک رات محفل میں بھی میں نے گزاری تھا۔ اس لئے پھر ملنے کی میرے دل میں تمنا ہے۔

تاج خاں } مشہور و معروف قوالوں میں ہے۔ بہترین لَے اور نغمے کا مالک ہے جب

گاتا ہے تو لوگ بے اختیار ہو ہو کر جھومنے لگتے ہیں۔ زبان میں تاثیر۔ لہجہ میں معقولیت اور آواز میں دلکشی ہے۔ اگر کسی اہل ذوق سے کہا جائے کہ ایک طرف تاج خاں کی قوالی ہے اور دوسری طرف عمدہ عمدہ کھانے اور عیش کے سامان ہیں تم ان دونوں میں کس کو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو یقین ہے کہ وہ تاج خاں کی قوالی کو ترجیح دیگا۔ کیونکہ تاج خاں کی قوالی میں روح کے لئے ٹھنڈک، دل کے لئے اطمنان اور طبیعت کے لئے بشاشت اور سکون ہے اور دنیا میں انسان کو سب سے زیادہ انہی چیزوں کی جستجو رہتی ہے۔ تاج خاں صوفی مشرب خادم فقرا اور خود بھی فقیر صورت ہے۔ ہر مہینے کی ساتویں تاریخ کو تاج خاں اپنے مقام پر ایک مجلس منعقد کرتا ہے جس میں فقرا اور مشائخ اور مشتاقان سماع کثرت سے شریک ہوتے ہیں۔ اور شہر کے دوسرے قوال بھی آتے ہیں اور سب کا ایک مجلس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ میرے خیال میں تو تاج خاں کا نمبر ہمیشہ بڑھا ہی رہتا ہے۔ اگرچہ شہر میں باکمال اور نامی گرامی قوالوں کی کمی نہیں ہے۔

(یہ نواب صاحب کی خوبی ہے کہ جس کی تعریف کرتے ہیں اس کو بے مثل بنا دیتے ہیں۔ حسن نظامی)

جانی اور غلام رسول } یہ دونوں تاج خاں کے لڑکے ہیں اور اپنے باپ کے تربیت یافتہ اور آبائی کمال سے مالامال ہیں۔ دونوں نیکبخت۔ نیک سیرت اور روحانیات اور تصوف سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ دونوں اکثر ایک ساتھ ملکر گاتے ہیں۔ آواز۔ طرز۔ لہجہ سب یکساں ہے۔ جس مجلس میں جاتے ہیں رنگ جما دیتے ہیں۔ اور خلقت بھی ان کی قوالی سے کافی دلچسپی لیتی ہے۔

(نواب صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ ان کی صورتیں کیسی تھیں حسن نظامی)

باقر طنبورچی } طنبورہ بجانے میں اپنے وقت کا استاد ہے۔ جیسے طنبورے کے تاروں پر باقر کی انگلیاں چلتی ہیں، اور اس میں سے میٹھے میٹھے سُر پیدا

ہوتے ہیں۔ تو تمام سننے والوں کا دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور طنبورے کا نغمہ صبح کی ٹھنڈی ہوا کی طرح روح میں خاص قسم کا سرور اور جوش پیدا کر دیتا ہے۔ یہ خود بھی بجاتے وقت مست ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی مست کر دیتا ہے اس خوبصورت آنکھوں والے گل اندام ساقی کی طرح جو محفل کو اپنے رقص سے تڑپا رہا ہو۔ اور خود بھی پی رہا ہو۔ اور دوسروں کو بھی پلا رہا ہو۔ اور ایک عالم بیخودی ہر سمت چھایا ہوا ہو یہ باقر کی محفل کا حال ہوتا ہے۔ بادشاہ وقت باقر کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور عوام اور روساء کا کیا پوچھنا وہ تو باقر کے عاشق ہیں

حسن خاں ربابی کی

رباب جیسے مشکل باجے پر حسن خاں کو پورا قابو حاصل ہے اور اُس نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ رباب بجانے میں گزارا ہے۔ اگرچہ اس کی عمر کا آخری دور ہے۔ اور اُسکا سارا بدن تار رباب کی طرح کانپتا رہتا ہے۔ اور وہ بھی مفلوک الحال اور معیشت کی وجہ سے اکثر پریشان رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی اُس میں زندہ دلی کے آثار باقی ہیں۔ اور خدا کا ہر حال میں شکر گزار ہے۔ رباب بجانے میں حسن خاں مسلم الثبوت ہے اور کوئی شخص ان اطراف میں اس کے کمال مہارت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دہلی کے مشاہیر میں ہے۔

غلام محمد سارنگی نواز کی

سارنگی بجانے میں غلام محمد کی شہرت دور دور تک ہے۔ اور درد و غم کے راگ کو جس عمدہ طریقہ سے سارنگی پر غلام محمد نکالتا ہے ہندوستان میں کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ نہایت پختہ مشق ہے۔ اس کے ناخن بڑی آہستگی اور بے تکلفی کے ساتھ سارنگی پر چلتے ہیں۔ جس مجلس میں جاتا ہے جادو کر دیتا ہے۔ اہل دہلی کا خیال ہے کہ اس فن میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ تمام لوگوں میں اس کی عزت ہے فقیر دوست اور فقیر مشرب ہے۔ مشایخ سے تعلقات رکھنے میں بہت خوش ہوتا ہے۔

رحیم اور تان سین کی

یہ دونوں بھائی تان سین کی اولادیں ہیں۔ ان کی استعداد اور ان کا فن موسیقی میں کمال خود اس بات کا ثبوت ہے کہ

کہ یہ تان سین کی نسل ہیں۔ تمام گویوں کے مخدوم زادے ہیں اور سب اہل فن اور ارباب کمال ان کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ گانے میں کمال حاصل ہے۔ ان کے نغمات جادو اثر مشہور ہیں۔ ان کے گلوں سے جب آواز نکلتی ہے تو اس کا اثر براہِ راست دل پر پڑتا ہے۔ دل کی دنیا میں ان کی آواز کے ساتھ مد و جزر ہوتا اور جوش و غم کے عالم طاری ہوتے ہیں۔ باجہ اور سُر اور تال کے اندر ان کی آواز بالکل ملی ہوئی نکلتی ہے۔ گلے اور باجے کا اتحاد یک جان دو قالب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ دونوں کبت کے راگ میں عجوبۂ روزگار اور دھرپد کے میدان کے سپہ سالار ہیں۔ ان دونوں کی آواز میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ دریا کی لہروں اور موجوں کی طرح برابر بڑھتی اور گھٹتی رہتی ہے۔

خوش نصیبی سے ایک دن مجھکو موسم برسات میں ایک محفل کی شرکت کا موقع ملا جس میں یہ دونوں بھائی اور یگانۂ روزگار ڈھولک نواز حسین اور حسن خاں ربابی اور گھاسی رام پکھاوج کا بے مثل استاد اور دوسرے کاملین فن اور ماہرین موسیقی جمع تھے۔ برسات کا موسم تھا چاروں طرف ابر چھایا ہوا تھا۔ اور فضا پر مستی کا ایک سکوت مسلط تھا۔ اُس وقت ایک خوبصورت مکان میں مجلس شروع ہوئی۔ اور ہر با کمال نے اپنا اپنا کمال پیش کیا۔ ایسی عمدہ صحبت۔ ایسے پیارے نغمے اور ایسا روح پرور منظر مجھکو دھوکا ہوتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ اور باوجودیکہ اُس وقت بجلیاں بھی چمکیں اور بادل بھی گرجے لیکن سچ یہ ہے کہ کسی کا کانوں اور آنکھوں کو اُس کی خبر تک نہ ہوئی۔ اس مجلس میں دنیا کے موسیقی کے آفتاب و ماہتاب رحیم سین اور تان سین کے پر انوار نغموں کی خوب چمک ہوئی۔ زمانہ گزر گیا لیکن اُس رات کا مزا دل اور کانوں میں اب تک موجود ہے۔

قاسم علی کی

نعمت خاں بین نواز کا شاگرد ہے۔ اور اس نعمت کا اکتساب نعمت خاں سے کیا ہے۔ نعمت خاں نے ان کو ہونہار پاکر دلسوزی اور محنت سے فن کی باریکیاں اور اصول سمجھائے ہوئے ہیں۔ اس کے چہرے سے کمال فن اور سعادت

اور ترقیِ غیر محدود کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ دہلی کے ماہرین موسیقی میں شمار کیا جاتا ہے۔ ظلّ سبحانی کی مجلس میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ اور امرا میں بھی حد سے زیادہ عزت ہے۔ ابھی جوانی کا آغاز ہے۔ مگر کمال فن کا یہ عالم ہے کہ بڈھے بڈھے باکمالوں سے بڑھ گیا ہے۔ اس کی صورت بھی کمال کی طرح رسیلی اور چمکیلی ہے جس مجلس میں جاتا ہے اپنی صورت اور اپنے کمال کے سبب ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ اس کی صورت کو دیکھ کر اور گانے کو سن کر مجلس تڑپ جاتی ہے اور لوگ بے قرار ہو جاتے ہیں۔ میں نے ایک بار اس منظر کو دیکھا ہے جس کی وجہ سے اب بھی دل بار بار قاسم علی کا گانا سننے کے لئے بے چین ہوتا ہے لیکن افسوس ہے کہ بے انتہا مشکلات حائل ہیں۔

(معلوم نہیں کیا مشکلات حائل تھیں۔ شاید جہاں پناہ کا مقبول گویّا ہونے کے سبب۔ حسن نظامی)

معین الدین قوال — قوالی میں یکتا ہے اور اپنے وقت کا مانا ہوا اُستاد ہے۔ اس کے نغمے گلشن کشمیر کی طرح رنگین اور حیات بخش ہیں جو دلکشی اس کی آواز میں ہے اور جو جاذبیت اس کے گلے میں ہے وہ آجکل کے کسی قوال میں نہیں پائی جاتی۔ جس وقت گاتا ہے ہوا ساکن ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سچی محبت کا لطیف قصہ لطیف زبان میں سُنا رہا ہے میرا خیال ہے کہ دُنیا گے پردے پر اس سے بڑھ کر صاف گلو موجود نہیں ہے۔

برہانی قوال — یہ بھی بہت باکمال قوال ہے۔ اور موسیقی کا اچھا ماہر ہے اس کی قوالی سننے کے قابل ہے اور اس کے نغمے دوستوں کی ضیافت کے موقع پر سُنائے جانے کے مستحق ہیں۔ مشق پُرانی ہے اور عمر بھی آخری حد تک پہنچ گئی ہے۔ مولانا شاہ کمال سے جو اربابِ حال کے سرتاج مانے جاتے ہیں اس کے گہرے تعلقات ہیں۔

شاہ کمال کے ہاں ہر سہ شنبہ کو محفل سماع منعقد ہوتی ہے۔ جہاں صوفیا اور مشایخ آتے ہیں۔ میں بھی ایک دفعہ شریک ہوا تھا۔ اور ایک دوسرے قوال چھیل چھبیل ڈھاڑی کا بھی گانا سنا تھا۔ صوفیا رحال و قال میں جھوم رہے تھے اور حاضرین پر سکوت طاری تھا۔

ابرہانی امیر خاں } متوسط درجے کے قوالوں میں اچھا اور مشہور ہے اس میاں لوگوں کو انتظار میں رکھنے کی عادت بہت بُری ہے۔

رحیم خاں جہانی } سرکار امیر خان کے ہاں رہتا ہے۔ خیال گانے میں مشہور ہے۔ بڑے مزے سے گاتا ہے۔

شجاعت خاں } بادشاہ تک رسائی ہے۔ اگرچہ گیت گانے اور کبت کے ماہر ہونے کا دعوے کرتا ہے لیکن اس کے گانے میں کچھ اثر نہیں ہے۔ مغرور ہے۔ بڑے اہتمام سے پگڑی باندھتا ہے۔ لباس بھی عمدہ پہنتا ہے۔ سرپیچ کا بہت خیال رکھتا ہے اور ہمیشہ آنکھوں میں سُرمہ تھوپے رہتا ہے۔ مجھ کو شجاعت خاں کی بے کمالی پر یہ کمال آرائی پسند نہیں ہے۔

ابراہیم خاں } ایک مرتبہ میں نے بھی اس کا گانا سنا ہے۔ بُرا نہیں گاتا لیکن میں باوجود موقع ہونے کے دوسری بار نہیں گیا کیونکہ کوئی شوق اس کے گانے کے لئے میرے دل میں نہ تھا۔

سواد خاں } مکولہ اور سوادہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کسی وقت دہلی کے مشاہیر میں شمار ہوتے تھے۔ اب پُرانی دہلی میں رہتے ہیں۔ پُرانے لوگ ان کی قدر کرتے تھے لیکن چونکہ باکمال ہیں اور اچھا گاتے ہیں اس لئے اِس دور کے نوجوانوں نے بھی ان کی قدر پہچانی ہے اور بہت عزت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

بولے خاں } بادشاہی ملازموں میں ہے۔ اور شاہی مجلس میں بہت معتبر

اور باعزت ہے۔ لیکن اس کے گانے کا طرز قدیم لوگوں کی طرح ہے۔

گھانسی رام پکھاوجی } پکھاوج بجانے میں اُستادِ وقت مانا جاتا ہے۔ بہت عمدگی کے ساتھ بجاتا ہے۔ پکھاوج پر اس کے ہاتھ کی حرکتیں بڑی نزاکت سے پڑتی ہیں۔ اس کی انگلیوں کی حرکت بجائے خود ایک موسیقی ہے۔ اور یہی اس کے کمال فن کی دلیل ہے۔

حسین خاں ڈھولک نواز } ڈھولک بجانے میں تمام دُنیا میں بے مثل ہے عجوبۂ روزگار اور نادرِ وقت ہے۔ حیرت انگیز طور پر اُس نے ڈھولک بجانے میں کمال پیدا کیا ہے۔ تمام اہل ہند کی بالاتفاق یہ رائے ہے کہ ڈھولک بجانے میں اس سے زیادہ کمال ممکن نہیں۔ اور یہ کہ آج تک دہلی کی سرزمین پر ایسا ڈھولک بجانے والا پیدا نہیں اس کی مہارت کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی مجلس میں یہ چھ مہینے تک بیٹھے تو ہر رات نئی نئی طرز سے مسلسل ڈھولک بجاتا رہے گا۔ اور کوئی یہ ثابت نہیں کر سکے گا۔ کہ یہ دُہرا کر کس طرز کو بجا رہا ہے۔ ڈھولک بجانے میں اس کا ہاتھ طلسمی ہاتھ ہے۔ تمام ہندوستان میں اس کی شہرت آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہے۔ مجلس میں ڈھولک پر اس کی انگلیاں اس خوبصورتی اور تیزی سے چمکتی ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے اندھیری رات میں جواہرات یا تارے جگمگا رہے ہیں۔

جب یہ گت بجاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان رقص کر رہے ہیں۔

تہتا } حسین خاں کے شاگردوں میں ممتاز ہے۔ اور گویا اُس کا خلیفہ ہے۔ دہلی میں سب سے بہتر ڈھولک بجانے والوں میں ہے۔ اُستاد کے بعد اس کا درجہ ہے۔ اس میں ترقی کرنے کی پوری استعداد ہے۔ ہونہار ہے۔ اور حسین خاں کی خاص تربیت کے ماتحت پرورش پائی ہے۔

شہباز دھمدھمی نواز } اس کا باپ سرکار اعظم شاہ کے ہاں ملازم تھا۔ اور

دھمدھمی بجانے میں اُستاد تھا۔ شہباز بھی اپنے باپ کے کمال فن پر پورا حاوی ہے۔ دہلی میں دھمدھمی بجانے میں بے نظیر ہے۔ جس قسم کے راگ اور جو راگنیاں یہ دھمدھمی سے نکال سکتا ہے وہ ڈھولک اور پکھاوج سے نکلنی مشکل ہیں۔ وقت اور موسم کے اعتبار سے دھمدھمی بجاتا ہے۔ اور جب دھمدھمی پر گاتا ہے۔ تو بالکل اُس میں گھس جاتا ہے۔ سننے والے بڑی مشکل سے دھمدھمی اور اس کی آوازیں تمیز کر سکتے ہیں۔

جب میں نے شہباز کے اس کمال کے متعلق سُنا تو مجھے یقین نہ آیا۔ اب میں کہتا ہوں کہ واقعی شہباز اپنے کمال میں یکتا ہے۔

شاہ درویش سبوچہ نواز } نادر زاد اندھا ہے۔ مٹکا بجانے میں مجتہد وقت ہے اس کی سبوچہ نوازی کے سامنے بڑے بڑے ڈھولک اور پکھاوج بجانے والے شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے کمال کے سامنے سر ٹیک دیتے ہیں۔ بچپن ہی سے اس نے سبوچہ بجانے کی مشق کی ہے، اور اب تو یہ خود راگ ایجاد کرتا اور نئے نئے سُر نکالتا ہے۔ اندھے کو خدا نے عجب ذہن دیا ہے۔ نواب زادے اور مشہور امراء اس کی خدمت میں سواریاں بھیجتے ہیں۔ اور بڑے اہتمام سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتے ہیں، اور اس کی ہم نشینی پر فخر کرتے ہیں۔

شاہ درویش نے ایک خاص ساز ایجاد کیا ہے، جس میں ڈھولک، پکھاوج، اور طنبورے کی ملی ہوئی آوازیں ایک ساتھ نکلتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی مجلس میں ڈھولک پکھاوج اور طنبورہ الگ الگ باکمال لوگ بجا رہے ہیں۔

خدا نے اس کو اگرچہ آنکھیں نہیں دیں۔ لیکن بصیرت غیر معمولی دی ہے۔

نابینائے شکم نواز } یہ دوسرا باکمال نابینا ہے۔ جس نے بیکاری کے مشغلے کے طور پر پیٹ بجانے میں کمال پیدا کیا ہے۔ ڈھولک اور پکھاوج کے پورے قانون کے مطابق اور موسیقی کی تمام باریکیوں کو لئے ہوئے یہ اپنا پیٹ بجاتا ہے۔ گویا

اس نے پیٹ کا ایک نیا باجہ ایجاد کیا ہے۔ طوائفیں اس کے پیٹ کے ساز پر ناچتی ہیں ناچ کی تال اور ناچ کی پوری نزاکت اس کی شکم نوازی میں قائم ہے۔

طوائفوں کا بیان ہے کہ وہ ناچ کے ساز کو پورے قاعدے سے بجاتا ہے۔ اور چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی نہیں کرتا۔ اور نہ اس کے پیٹ کی آواز میں کوئی کراہیت ہے۔ عجیب باکمال نابینا ہے۔ اِس کا پیٹ کثرتِ ضرب سے بالکل سیاہ ہو گیا ہے

تقی } ہندوستان میں بھگت بجانے والوں کی جماعت کا سردار ہے اور بادشاہ کا منظور نظر ہے۔ بڑے بڑے امرا اس کی عزت کرتے اور نہایت توقیر سے اس کو دعوت دیتے ہیں۔ دہلی کا ہر بڑا چھوٹا اس کی ہم نشینی کی تمنا کرتا ہے۔

اس کے پاس بھگت بجانے کا ہر قسم کا سامان موجود ہے۔ اور یہ مختلف قوموں اور فرقوں کے بھگت بجا سکتا ہے۔ اور اس کے لوازمات بھی رکھتا ہے۔ بڑا رنگین مزاج اور شوقین طبع ہے۔ اپنے مکان کو رنگا رنگ کے سامانوں سے سجائے رکھتا ہے۔ امیروں سے خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ جو اس کے مکان کو ہر وقت پرستان بنائے رہتے ہیں۔ اس کا گھر ایک اکھاڑے کی مانند ہے۔ جس میں امرد ملیحانِ نوخیز اور حسینانِ مہ وَش ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اور نظارہ بازی کا اکٹھا رہتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ کوئی بھی سبزہ آغاز اس کے دام سے نہ نکلنے پائے۔ اور بتانِ ماہرو خود اس پر عاشق ہو جائیں۔ حسینوں کی دلجوئی کے لئے تمام چیزیں اس کے ہاں موجود ہیں۔ چونکہ نفاست پسند ہے اس لئے اس کا گھر قسم قسم کے فانوسوں اور طرح طرح کے آئینوں سے سجا ہوا ہے۔

اس کا وقت یا تو بھگت بجانے میں صرف ہوتا ہے اور یا امردوں نازنینوں سیاہ چشموں اور منتخب روزگار حسینوں اور مشہور عام معشوقوں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے اور اٹھکھیلیاں کرنے میں۔ کوئی تیسرا کام نہیں ہے اور

سچ تو یہ ہے کہ اس کے کمال فن کی وجہ سے حسین اس کو خود ہی گھیرے رہتے ہیں۔ دہلی کا ہر نوجوان اس کی اس پرستانی زندگی پر رشک کرتا ہے۔ اور اس لئے امرار بھی اس سے تعلقات قائم کرنے میں خوش ہوتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ یہ مخنث ہے شہرخی مشہور ہے۔

شاہ دانیال یہ شخص کئی چیزوں میں کمال رکھتا ہے۔ بلبل ہزار داستان کی طرح داستان گو بمثل نقال۔ لطیفہ گو اور مشہور موسیقی داں، کبت اور خیال جو موسیقی کی رائج الوقت اور پسند عام چیزیں ہیں یہ اُن میں مہارت رکھتا ہے۔ سب موسیقی داں لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ اور چونکہ فقیرانہ مشرب رکھتا اور بزرگوں کی اولاد میں ہے اس لئے بھی لوگوں میں اس کی عزت ہے۔ بہت پختہ مشق ہے۔ اور جب گاتا ہے تو بڑی رنگینی کے ساتھ۔ آواز میں جادو ہے۔ اگلے لوگوں کا بھی طرز اس کو آتا ہے۔

ہر مجلس میں میر مجلس بن کر بیٹھتا ہے۔ اس کی منفعت کا ذریعہ موسیقی ہی ہے۔ شہر کی تمام محفلوں اور سب مجمعوں میں جاتا ہے۔ شہر کے امیروں سے اس کی بڑی دوستی ہے۔ خوش طبع اور خوش مزاج آدمی ہے۔ روپیہ کمانے کے طریقوں سے واقف ہے۔ اور اسی لئے اس کے تعلقات غیر محدود ہیں۔ بڑا پیٹو اور بڑا کھاؤ ہے نفیس کھانوں پر مکھی بن کر گرتا ہے اور جہاں تک چاہے کھا جائے مگر سیر نہیں ہوتا۔ کھانا بھی اس کے کمالوں میں داخل ہے۔ حقے کا عادی ہے۔ ہر وقت حقہ ساتھ رکھتا ہے۔ بلا حقے کے اس کی زندگی ناممکن ہے۔ اس کی نیند بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ عجیب خوفناک اور ڈراؤنی شکل سے ہوتا ہے۔ شیر کی طرح سوتے میں غراتا رہتا ہے۔ اور جب صبح اُٹھ کر وضو کرتے وقت کھنکارتا اور چھینکیں لیتا ہے تو یہ بھی ایک وحشت ناک منظر ہوتا ہے۔ گھنٹوں ہیبت ناک آواز سے کھنکارتا رہتا ہے۔

گوکہ اس میں چند مکروہ باتیں بھی ہیں۔ لیکن آدمی رنگین مزاج اور آدابِ مجلس سے واقف ہے۔ جو اس کا دوست ہے وہ کبھی جدائی پسند نہیں کرتا۔ دلچسپ آدمی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس سے دوستی کی جائے۔

(نواب صاحب ہر شخص کی ایک تصویر اُتار کر رکھ دیتے ہیں۔ شاہ دانیال کا حال تو ایک عالم تصویر ہے۔ حسن نظامی)

خواصی اور انوٹھا } دہلی کے مشہور نقالوں میں ہیں اور دونوں شاہی دربار سے منسلک ہیں۔ ان کی انشا عمدہ۔ مضامین سے پُر ہوتی ہے۔ اور یہ خود نقلیں ایجاد کرتے ہیں۔ خیال اور رقص میں ماہر ہیں۔ جب کسی محفل میں کوئی طائف ہوتی ہے تو ان کا نشۂ رنگینی دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ جوش نظارے میں آکر عمدہ نقلیں کرتے اور عالی دماغی سے تقریریں کرتے ہیں۔

سبزہ اور مزہ } یہ دونوں نوخیز لڑکے بھی نقال ہیں اور ان کو ناچنے میں بھی کمال حاصل ہے۔ چونکہ یہ دونوں خوبصورت ہیں۔ کالی کالی اور بڑی آنکھیں اور لمبی لمبی زلفیں اور تناسبِ اعضا اور نوعمری کے سبب معشوق صفت بھی ہیں اس لئے ان کے ناچ میں شوخی، اور ان کی محفلوں میں خوش بیانی کے علاوہ معشوقیت بھی ہوتی ہے۔ بڑی نزاکت اور طرفہ اداؤں سے ناچتے اور نقلیں کرتے ہیں۔ اور محفل پر کچھ تو حسنِ فسوں ساز سے اور کچھ کمالِ فن سے رنگ جماتے ہیں ؎

بہ ہر طرف کہ نگہہ می کنم تماشہ الیست   خدا کند کہ فلک فرصتے دہد مارا

یاری نقال } اِس شخص کی تعریف اور حقیقتِ حال بیان کرنے کی قلم میں طاقت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ حیرت انگیز نقال ہے۔ دہلی میں اس کے نام کا طوطی بول رہا ہے۔

یاری بلا کا حسین ہے اور اس کی عمر کا یہ زمانہ جو سبزہ آغازی کا ہے اور جس میں وہ جان محبوبی ہوا یہ اہل دہلی کے دلوں میں محبت کی آگ بھر رہا ہے۔ وہ ایک متحرک گلستاں ہے جہاں تفریح کرنے کے لئے لوگ کھنچے چلے آتے ہیں ؎

حسن سبز آفتِ جاں بود نمی دانستم　　دام در سبزہ نہاں بود نمی دانستم

اس کا رنگ سیب کی مانند سُرخ و سفید۔ اس کی چال نسیم سحری کی طرح آہستہ و خموش۔ وہ ایک بلائے بے درماں اور آفت مجسم ہے۔ شکوہ حسن کا یہ عالم ہے کہ بڑی مشکل سے اُس کے رُخِ زیبا پر نگاہیں جمتی ہیں۔ ہزاروں اُس کے طالب اور ہزاروں اُس کے فدائی ہیں۔ اور جو شخص اُس کے سبزۂ بہار سے لُطف اُٹھانے میں کامیاب ہو گیا وہ دہلی کا خوش قسمت ترین انسان ہے ؎

خوبی حُسن و خوبی آواز　　ببرد ہر یکے بہ تنہا دِل
چوں شود ہر دو در صنم یکجا　　کار صاحبدلاں شود مشکل

یاری نقال کی طرح دو تین نہال اور بھی آہستہ آہستہ رزم و بزم کے میدان میں آرہے ہیں۔ دیکھئے وہ سبزہ آغازی پر کیا ستم ڈھاتے ہیں۔ مگر اس فلک کج رفتار کی نگاہوں کو کیا کیا جائے۔ خدا محفوظ رکھے۔

(خدا نے محفوظ نہیں رکھا اور سب خاک میں مل گئے اور ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ حسن نظامی)

معشوقہ ابوالحسن کی بڑی رنگین ادا اور بالمکین عورت ہے۔ اس کی زبان بڑی سلیس اور بڑی فصیح ہے۔ جب ہنستی ہے تو پھول جھڑتے ہیں۔ اور منہ سے جو لفظ بھی نکلتا ہے دل میں اُتر جاتا ہے۔ وقار اور متانت سے رہتی ہے۔ لوگ اس سے باتیں کرنے اور اس کی باتیں سُننے کے مشتاق رہتے ہیں رقص میں کمال پیدا کیا ہے۔ ایسی خوبی اور دل رُبائی اور رعنائی سے ناچتی ہے

کر اہل مجلس بے قابو ہو جاتے ہیں میاں محمد شاہ کے مکان پر مجھ کو بھی ایک بار ناچ دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا تمام محفل پر عجیب مستی طاری تھی۔ جو لوگ اس مجلس میں تھے اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا تو سب ایک بار دیکھا ہے اور بار بار دیکھنے کی تمنا میں بے چین تھے۔ اور جو نہ تھے وہ اپنی محرومی پر افسوس کرتے تھے۔

معشوقۂ ابوالحسن کو رقص کے علاوہ کبت اور خیال کے گانے میں بھی مہارت ہے۔ اگر وہ تمام عمر کبت اور خیال کو دُہرایا کرے جب بھی سیری ناممکن ہے۔ جہاں یہ ہوتی ہے ہر طرف ایک برقی لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔

(نواب صاحب نے اس کے نام کی تشریح نہیں کی کہ اس کو معشوقۂ ابوالحسن کیوں کہتے تھے۔ حسن نظامی)

جیٹا قوال یہ شخص نہ صرف قوال ہے بلکہ قوال نما واعظ ہے۔ ارباب وجد و حال کی محفلوں میں اس کا اثر سب سے زیادہ ہے اور صوفیا کی بزم میں تو اس کی بہت آؤ بھگت کی جاتی ہے۔

یہ وحدت الوجود کے متعلق قرآن شریف کی آیتوں کو بڑی خوش الحانی اور غم انگیز طرز سے پڑھتا ہے۔ اور صوفیا اس کی قرأت اور مدلل قوالی پر مرغِ بسمل کی طرح تڑپتے ہیں۔ اس کو مشائخ سلف کے اقوال اس کثرت سے یاد ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب علم سلوک و تصوف کی ہو جائے۔ صوفیا اور اہل دل شاعروں کے منتخب اور خاص خاص اشعار ایسے یاد ہیں کہ اگر ان کو بھی اکٹھا کیا جائے قدیم کی صوفیانہ شاعری کے کئی دیوان مرتب ہو جائیں۔

اس کے نغموں میں وجد و حال اور فقیری کے پُر سوز مضامین ہوتے ہیں یہ ساز اور موسیقی کا بڑا ماہر اور دہلی کے تمام مشائخ میں محبوب ہے۔ شاہ باسط جو صمصام الدولہ کے بھائی اور فقیر منش ہیں ان کی خانقاہ میں یکشنبہ کے دن

ایک مجلس منعقد ہوتی ہے اور وہاں فقرا اور امرا اور تماشبینوں کا بڑا ہجوم ہو جاتا ہے اور دن بھر محفل سماع جاری رہتی ہے اور یہاں عام دستور کے مطابق حسینوں کا بھی بڑا جمگھٹ ہوتا ہے۔ اُس دن جٹا قوال اپنے روح پرور اور معرفت آمیز نغمات سے محفل پر جو سماں طاری کرتا ہے وہ کیفیت قلم و زبان سے ادا نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ وہ ایک خالص وجدانی چیز ہے ع قلم ایں جا رسید و سر بشکست
جٹا شاہ باسط کا ملازم ہے۔ اور ان کو فن قوالی کی تصنیفات میں امداد دیتا رہتا ہے۔ الغرض جٹا اپنی نوعیت کے لحاظ سے عدیم النظیر اور اپنے کمالات کے اعتبار سے فرد ہے۔

(آجکل حیدرآباد دکن میں صوفی علی بخش اسی طرز کا قوال ہے جس کو میں نے "واعظ قوال" کا خطاب دیا ہے۔ حسن نظامی)

رحیم خاں، گیان خاں دولت خاں اور ہڈو } یہ چاروں بھائی کولہ اور سواد کی اولاد میں ہیں جو اپنے وقت کے یکتا ماہر موسیقی اور گویے تھے یہ چاروں بھائی خیال گانے اور بجانے میں بے نظیر ہیں اور بڑی نزاکت سے گاتے ہیں۔ جس محفل میں جاتے ہیں لوگوں کو خوش کر دیتے ہیں۔ خاص طور سے دولت خاں کی معشوقانہ نازک مزاجیاں تو لوگوں پر قیامت ڈھا دیتی ہیں۔ ہر ماہ کی پانچویں تاریخ کو ان کے مکان پر محفل منعقد ہوتی ہے۔ جہاں قوالوں اور ارباب فن کا اور مشائخین کا بڑا ہجوم ہوتا ہے چونکہ اس مجلس میں سب باکمال اور ماہرین فن ہوتے ہیں اس لئے یہ لوگ خوب محنت اور شوق سے گاتے بجاتے ہیں اور اپنی پختہ مشقی کی صحیح داد پاتے ہیں۔ عموماً یہ بھائی سب سے آخر میں گاتے ہیں اور لوگوں کو کافی انتظار کرنا پڑتا ہے۔ دولت خاں کی آواز بہت باریک اور سُریلی ہے۔ اور جب تک جگہ

قریب کی نہ ملے اور کان لگا کر نہ سنا جائے اس کے گانے کا مزہ نہیں آتا۔ اسی لئے اکثر
اکثر لوگ جہاں یہ گاتا ہے آگے بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اژدحام کے سبب
دور والے لوگ زبانی واہ واہ کر کے چلے جاتے ہیں۔ رحیم خاں نہایت سادگی سے گاتا
ہے۔ بہت خوش آواز اور خوش ادا ہے۔ اور اس کی مشق بھی پختہ ہے۔ امراء اور صاحبان
مجلس اس کی خوشامدیں لگے رہتے ہیں۔ اور اس کے ناز نخروں کو برداشت کرتے
ہیں۔ رحیم خاں شراب پینے کا عادی ہے اور اس لئے اکثر جہاں جاتا ہے کثرت شراب
خوری کے سبب فحش بھی بکتا ہے۔ لیکن لوگ اس کے کمال فن کے سبب سب کچھ
برداشت کر لیتے ہیں۔ اس کی آنکھیں نشے کی فراوانی سے ہر وقت مخمور رہتی ہیں۔
اور یہ مینا و جام کے علاوہ کوئی دوسرا موضوع سخن ہی نہیں رکھتا۔ گیان خاں اور
ڈو چھوٹے بھائی ہیں۔ جب یہ گاتے ہیں تو ان کو بھی خوب داد ملتی ہے۔ ان بھائیوں
کی مجلس میں دہلی کے تمام مشاہیر شریک ہوتے ہیں اور ان کی صحبت بہت
دلچسپ اور پر لطف ہوتی ہے۔

اللہ بندی } یہ ایک بڑے نامی گرامی قوال کا لڑکا ہے۔ خیال گانے میں مشہور
ہے۔ اور بڑی رنگینی اور دلربائی سے گاتا ہے۔ خوبصورت
اور مناسب ڈیل ڈول کا ہے۔ لوگوں کا منظور نظر اور مشہور معشوقوں میں ہے

رجی امرد } سیاہ فام ہے لیکن آواز بڑی نازک اور دلدوز پائی ہے۔ اور
جب گاتا ہے تو باجے کے سروں اور تاروں میں اس کی آواز جذب
ہو جاتی ہے۔ اور جب تک فرق کرنے کی قابلیت نہ ہو ناممکن ہے کہ کوئی شخص باجہ
اور رجی کی آواز میں فرق کر سکے۔ سدا رنگ کے گانے میں ماہر ہے۔

ہنگا امرد } یاسمنی لباس پہنتا ہے اور خوب گورا رنگ ہے۔ قلعہ کے مقابل والے
چوک میں اس کا رقص روزانہ ہوتا ہے بڑے بڑے لوگ محض

اس کے رقص کو دیکھنے کے لئے چوک کی سیر کو جاتے ہیں۔ اس کو تماشائیوں نے "ہنگامہ پیرا" کا خطاب دیا ہے۔ دہلی کے مشہور امردوں اور حسینوں میں ہے۔ اس کے حسن کے ہزاروں خریدار ہیں۔ اور جن کی ہنگامہ پیرا تک رسائی نہیں ہے وہ دور ہی سے نظارہ بازی کرکے دل کو تسلی دے لیتے ہیں۔ جہاں سے میاں ہینگا کا گزر ہوتا ہے سب لوگ حیرت سے تکنے لگتے ہیں۔ اور راستہ چلنے والے سوار بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنے بادپا گھوڑوں کو روک کر جلوۂ یار دیکھنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اس کی ادائیں خانہ برانداز اور اس کی شوخیاں تباہ کُن عقل و ہوش ہیں۔

چوک میں میاں ہینگا کی رقص گاہ اچھی خاصی طواف گاہ بنی ہوئی ہے۔ اور واقعہ بھی یہ ہے کہ وہ لاکھوں میں انتخاب ہے اور بلا کا حسین اور جاذبِ نظر ہے۔ اپنی حُسن فروشی اور رقاصی سے خوب دولت کماتا ہے۔ باوجودیکہ بڑے بڑے امراء اس کو کثیر رقمیں دیکر اپنے گھر پر بُلاتے ہیں۔ لیکن وہ کسی دوسرے کے مکان میں قدم نہیں رکھتا۔ میاں ہینگا کے تمام عشاق اور تمام خریدار خود اسی کے مکان پر جاکر وصل اور رقص کی لذتیں حاصل کرتے ہیں۔

دلو گو! اب نہ وہ چوک باقی ہے نہ ہینگا کا ناچ باقی ہے۔ نہ اس کے چاہنے والے باقی ہیں۔ اگر نواب صاحب یہ تذکرہ قلم بند نہ کردیتے تو ہینگا اور اس جیسے سب خواب و خیال ہو جاتے۔ (حسن نظامی)

سُلطانہ امرد سبزہ رنگ ہے۔ بارہ سال کی عمر ہے۔ لیکن ناچنے میں طرفہ ادائیں اور شوخیاں ظاہر کرتا ہے۔ اس کے گانے نے ایک عالم پر عشق و محبت اور دیوانگی کا جادو کر رکھا ہے۔ اتنی ہی عمر میں اس نے علم موسیقی میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ اس سے زیادہ تصور ہی میں نہیں آتا۔ اور ابھی

گو وہ غنچہ صفت ہے لیکن گلستان دربغلی کا مدعی ہے ۔ اور بڑے بڑے اُستادانِ فن سے ٹکرانے کی تمنا رکھتا ہے ۔ جب وہ سامنے کھڑا ہو کر ناچنا گاتا ہے تو کانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ نغمات زیادہ سے زیادہ سما جائیں ۔ اور آنکھیں اس شوق کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ پیشِ نظر منظر کو پردوں میں چھپالیں۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ اک دوست کے ہاں گانے بجانے کی مجلس تھی ۔ میں بھی شریک ہوا تھا ۔ سلطانہ بھی تھا ۔ ساری رات عیش و انبساط میں گزری ۔ اب تک اس گزری ہوئی رات کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی ہے ۔ اور دوبارہ دیکھنے کے لئے دل بیقرار ہے ۔

(وہ رات نہ آئی، نہ آنے کی امید رہی ، کیونکہ مغل تہذیب کی بساط ہی اُلٹ گئی ۔ حسن نظامی)

درگاہی زنکولہ نواز } اُسی رات میں نے درگاہی زنکولہ نواز کو دیکھا ۔ جو سلطانہ امرد کے ہمراہ آیا تھا ۔ خوبصورت تھا ۔ مگر امردی کی منزل سے گزر چکا تھا ۔ ناچنے اور زنکولہ بجانے میں بے نظیر اور مشہور تھا ۔ اگرچہ اب اس کے رقص کا زمانہ گزر چکا ہے ۔ لیکن اس کو ناچنے میں کمال حاصل ہے ۔ ناچتے وقت جب وہ زنکولہ بجاتا ہے ۔ تو اس کو زنکولہ کے سُر دل پر پوری قدرت ہوتی ہے ۔ ایک تال قائم رکھتا تھا ۔ اور تھپکی سے بہت سے تال دیتا جاتا تھا ۔ میں نے دیکھا کہ وہ ناچتے وقت کبھی زنکولہ سے ایک رنگ کی آواز پیدا کرتا تھا ۔ کبھی دو رنگ کی اور کبھی مختلف رنگوں کی ملی جلی آوازیں تھیں ۔ محفل میں ہر طرف اس کی اس بےمثال مشق پر صد ہا تحسین و مرحبا بلند ہو رہی تھی ۔

(میں نہیں جانتا زنکولہ کیا چیز ہوتی ہے ۔ جس طرح مختلف قسم کی روٹیاں ہم سے چھن گئیں ۔ اور ہم ان کے نام بھی بھول گئے ۔ اسی طرح باجے بھی ہم سے چھن

گئے۔ اور ہم ان کو بھی بھول گئے۔ حسن نظامی)

چنگ نواز } اُسی رات میں نے مطربوں اور اُستادانِ موسیقی کے گروہ میں ایک چنگ بجانے والے کو دیکھا تھا۔ جو چنگ نوازی میں بے مثل تھا۔ اس کے ہاتھ میں گھاس کا ایک پتّہ تھا۔ اس نے اس کو منھ میں لیکر بجانا شروع کیا۔ اور بلبلِ ہزار داستان کی طرح نوا سنجی شروع کی۔ معلوم یہ ہو رہا تھا کہ یہ انسان کی زبان کی حرکت نہیں ہے۔ بلکہ انسان کے ذہن میں بلبلِ ہزار داستان چھپا ہوا بیٹھا ہے بال برابر بھی تو فرق نہ تھا۔

سرس روپ } اس کی دل فریب حرکات مشاقوں کی تمنا ہے۔ اس کی مستانی چال نسیم گلشن کو بھی شرما دیتی ہے۔ اس کے نغمات دلوں کے اطمینان کا باعث ہیں۔ یہ ایک نظر کو خیرہ کرنے والا اور عقل و ہوش کا لوٹنے والا حسین و جمیل امرد ہے۔ جس پر دہلی کے نوجوان اور شوقین مزاج ہزار جان سے عاشق ہیں۔ اس کے ناچ میں رنگینی اور محبوبی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور اس کے گانے بہت دلچسپ اور مرغوب عام ہیں۔ بلا کسی وسیلے کے اس سے ملاقات کرنا یا معقول خرچ کی تیاری کے بغیر لطف ہم نشینی کی آرزو کرنا بالکل بیکار ہے۔ بہر حال دل بہلانے کے لئے اچھا کھلونا ہے۔ (نام سے خیال ہوتا ہے۔ یہ لڑکا ہندو ہوگا۔ حسن نظامی)

نور بائی } دہلی کی مشہور ڈومنی ہے۔ بڑے بڑے اُمرا اس کے دیدار کی تمنا رکھتے ہیں۔ اور اس کے مکان پر جانا باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ نور بائی کا مکان ایک عالی شان دربار کی طرح مرصع اور مزیّن ہے۔ زنگار رنگ کے آرائشی سامان ہر طرف نظر آتے ہیں۔ اور اس کی سواری اعلےٰ شان اور عمدہ اہتمام سے نکلتی ہے۔ زیادہ تر ہاتھی پر سوار ہوتی ہے۔ آگے پیچھے نوکروں اور چوبداروں کا محافظ دستہ ہوتا ہے جہاں جاتی ہے جواہرات سے خاطر کی جاتی ہے۔ اور بے شمار دولت ساتھ لاتی ہے۔ اور

امیروں کا یہ عالم ہے کہ جب اس کو دعوت دیتے ہیں تو قیمتی ہدایا پہلے ہی بھیج دیتے ہیں۔ اور رخصتی کے وقت بھی دولت کا انبار اس کے ساتھ کر دیتے ہیں

اب تک یہ دیکھا گیا ہے کہ جس نے نور بائی سے آشنائی کی بالآخر تباہ ہو گیا۔ بہت سے رئیسوں کے گھر برباد ہو گئے ہزاروں کی جائدادیں ختم ہو گئیں۔ عجب ستمگر ڈومنی ہے۔ ناگن کی طرح دولت و ثروت کو ڈس لیتی ہے۔ اس کی زندگی محض اس لیئے ہے کہ وہ دن رات دونوں ہاتھوں سے جس قدر دولت سمیٹ سکتی سکتی ہے سمیٹا کرے اور کمبخت آدمی سے نہیں روپے سے محبت کرتی ہے۔ جس کے پاس روپیہ ہے اس کی یار ہے اور جو بیچارہ مفلس ہے اس کی طرف ایک آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ بات یہ ہے کہ ظالم بلا کی حسین اور شوخ اور جادو گفتار ہے آداب مجلسی سے پورے طور پر واقف نہایت ذہین اور سمجھ دار نکتہ رس اور خوش تقریر ہے۔ فصاحت و بلاغت سے گفتگو لبریز ہوتی ہے۔ اور محاورات کا جتنا صحیح استعمال یہ کرتی ہے، اچھے اچھے ادیب بھی نہیں کرتے۔ جاہل اور بدسخن آدمی اس کی صحبت میں چند ہی دنوں کے اندر عقلمند اور آداب گفتگو سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس کے اخلاق، اس کی تہذیب، اس کی خاطر شناسی، اس کا حسن اور اس کی ادبیت یہی تو وہ کمالات ہیں جن کو دیکھ کر لوگ اپنے خزانے اس کافر کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سنتے ہیں، سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ نور بائی کے حسین پردوں میں دولت و عزت کو ڈس لینے والی ناگن چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر جب وہ نظروں کے سامنے آتی ہے اور دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ باتیں کرتی ہے تو سب مسحور ہو جاتے ہیں اور کنجیاں اس کے حوالے کر دیتے ہیں اور پھر طرفہ یہ کہ نور بائی موسیقی کی بھی ماہر ہے۔ اور وہ خنگلہ گانے میں بڑی مشاق ہے۔ جب کہیں گانے بجانے کے لیئے جاتی ہے تو اپنے ساتھ چند عورتوں کو بھی

لے جاتی ہے جن کے نام بیگم و خانم وغیرہ ہیں۔ اور اپنے اثر کے زور پر امیروں سے کہتی ہے کہ فلانی کو اتنی رقم دیدو۔ فلانی کو اتنی اور سب لوگ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ روپیہ کمانے کے فن کی ماہر ہے۔ اس کی حالت بیان کرنے کے قابل نہیں۔ بلکہ خود دیکھنے کے قابل ہے۔

(ڈومنیاں اور طوائفیں سب ہی دولت کی عاشق ہوتی ہیں۔ حسن نظامی)

چمنی یہ بھی ایک طوائف ہے۔ مگر اس کی جوانی ڈھل چکی ہے۔ بادشاہ کے ہاں اس کی آمد و رفت ہے۔ موسیقی میں کامل ہے۔ ہر جگہ اس کی عزت کی جاتی ہے۔ اور اہل موسیقی بھی اس کا احترام کرتے ہیں۔ اس کی ہم نشینی اور دوستی میں بھی کافی روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ بات چیت میں پاکیزہ خوش طبع ہے۔ بادشاہ سلامت اکثر اس کے کمالات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اور اس کے گانوں کو توجہ سے سنتے ہیں اس کے نغمات میں بہت اثر ہے اور ایک بار سننے کے بعد بار بار سننے کی تمنا ہوتی ہے۔ اس کے کمالِ فن کی ہر جگہ تعریف کی جاتی ہے۔ ایک رات میں نے بھی اس کی صحبت میں بسر کی تھی، صبح تک گانے بجانے کا دور چلتا رہا تھا۔

(ایسے ہی مشاغل کے سبب محمد شاہ کے پایۂ تخت کو نادر شاہ ایرانی نے لوٹا تھا۔ حسن نظامی)

امرِ بیگم دہلی کی نامی گرامی اور شہرۂ آفاق طوائف ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ یہ حسین اور طوائف ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر ننگی رہتی ہے اور مجلسوں میں بالکل برہنہ آتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ بدن اسفل کے حصہ کو بالکل عریاں کر کے اس پر پائجامہ کی نقاشی کرواتی ہے۔ کمخواب کے تھان کی طرح اور بوٹے دار پائجامے کے مانند اس کے زیریں جسم پر پائجامے کی تصویر بنی ہوئی

ہوتی ہے۔ تصویر بنانے کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہو بہو پائجامہ معلوم ہوتی ہے۔ جب امر بیگم امیروں کی مجلسوں میں عریاں پائجامہ پہنے ہوئے آتی ہے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ننگی ہے۔ اس راز کو اس کے مخصوص آشنا ہی جانتے ہیں۔ چونکہ یہ بالکل عجیب و غریب چیز ہے اس لئے امر بیگم بہت محبوبِ خلائق ہے

(اس سے دہلی کی مصوری کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ حسن نظامی)

بھنیائے فیل سوار مشہور رقاصہ اور طوائفوں کے گروہ کی سرتاج ہے اس کے بہت سے نوکر اور چوبدار ہیں اور رئیسوں سے ایک معاصر اور ہم چشم کی طرح ملتی ہے۔ جس امیر کو کسی کی سفارش کے متعلق کچھ کہتی یا لکھتی ہے تو وہ رد نہیں کرتا۔ گزشتہ دنوں اعتماد الدولہ سے اس کے خاص تعلقات تھے۔ ایک دن اعتماد الدولہ نے بطور تحفہ اس کے مکان پر ستر ہزار روپیہ کے پیالے، گلاب پاش اور دوسرے برتن بھیجے تھے۔ یہ بڑی دولت مند اور وضع دار ہے۔

(نواب اعتماد الدولہ کو اعتماد کا خطاب رنگیلے بادشاہ نے اسی لئے دیا ہوگا کہ وہ دولت کو یوں برباد کرتا تھا۔ حسن نظامی)

رام جنی سرکار اعتماد الدولہ کی ملازم طوائف ہے۔ طرح دار، اور شاندار ہے اس کے رقص میں پبلک کا بہت ہجوم ہوتا ہے اور امیر و غریب سب جمع ہوتے ہیں۔

مگر اس کی بے پروائی کا یہ عالم ہے کہ مجلس کے کسی امیر کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتی۔ گاتی بھی عمدہ ہے۔ تمام محفلوں میں اس کی شہرت ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ قواعد موسیقی کا پورا خیال کرتی ہے۔ اور کوئی گانا فن سے ہٹ کر نہیں گاتی اگرچہ اس کا شباب بھی ڈھل چکا ہے۔ لیکن قدر دانِ فنِ موسیقی اب تک اس کی

کافی عزت کرتے ہیں گو ایک دوسرے پہلو سے اس کی عزت و شہرت کم ہوگئی ہے۔
(کہاں گئیں بی رام جنی! تمھاری دلّی میں تم جیسی بے پروا رنڈیوں کا کال ہوگیا۔ اب تو کال کی ماری فقیرنی رنڈیاں رہ گئی ہیں۔ حسن نظامی)

چکّ مکّ بائی کی۔ یہ بھی ایک مشہور طوائف ہے۔ جو ابتدائے جوانی میں پبلک کی نور نظر اور بادشاہ کی معشوقہ تھی۔ چک مک خطاب بھی بادشاہ نے دیا تھا۔ لیکن اب جوانی کی رات بڑھاپے کی صبح سے ختم ہو رہی ہے۔ اب اس کے حسن میں وہ گرمی نہیں رہی۔ اور اسی لئے اب عاشقوں کا بھی پہلا سا آنا نہیں ہے۔ آواز میں درد اور نغموں میں اثر ہے۔ اب بھی معقول خرچ کئے بغیر اس تک پہنچنا مشکل ہے بادشاہ کی منظور نظری کی وجہ سے نخرے بہت زیادہ کرتی ہے۔

کالی کنکالی کی۔ یہ مشہور رقاص ہے۔ ناچنے کی تمام باتوں پر قابو رکھتا ہے۔ اس کو طوفان کی طرح تیز ہو جانا اور نسیم سحر کی مانند سبک رو ہونا آتا ہے اس کے پاؤں اور اس کے ہاتھ اور اس کا سارا جسم سب اس کے قبضے میں ہیں بڑی منت سماجت کے بعد ناچتا ہے۔
(ارے او کالے کلوٹے ناچنے والے! تجھ کو معلوم ہو کہ تیرے شہر میں انقلاب کے ناچ نے سب کو بیخود کر دیا ہے۔ حسن نظامی)

زینت اور بھجی کی۔ بہت نازک اندام اور خوش گلو طوائفیں ہیں۔ ان کی آواز اور ان کے ناچ میں خواہش نفس کو برانگیختہ کرنے کا سامان زیادہ ہے۔ گو کہ یہ خوبصورت بھی ہیں۔ لیکن ایک صاف طبیعت کا آدمی ان کی عزت بوالہوسی کے جذبہ کے ماتحت نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے کمال فن کی بنا پر۔

گلاب کی۔ گانے میں گلاب کی طرح روح پرور، اور حرکات لطیف میں چھنکتے ہوئے

ساغر شراب کی طرح ہے۔ منظورِ نظر اور نکتہ فہم ہے۔ اور فی الواقع حسن میں بھی باغ حسیناں میں گلاب ہے ؎

محوِ کدام آئینہ سیما شود کسے آئینہ خانہ ایست دو عالم ز روئے تو

رمضانی } عمر کا آخری حصہ ہے، اور جوانی کی راتیں اور مرادوں کے دن کا دور گزر چکا۔ ہاں گانے بجانے میں اب بھی طاق ہے، نغمے میں سوز و ساز اور آواز میں بھی اثر ہے۔ جہاں جانا ہوتا ہے ہر طرف سے صدائے تہنیت بلند ہوتی ہے۔ سمجھ دار، نکتہ رس اور آدابِ مجلسی سے واقف ہے۔

(سمجھ میں نہیں آتا، رمضانی مرد تھا یا عورت تھی یا مخنث۔ نواب صاحب نے صاف نہیں لکھا۔ حسن نظامی)

رحمان بائی } ظاہری شکل اچھی نہیں ہے۔ رنگ شبِ فرقت کی طرح سیاہ فام ہے۔ لیکن آنکھوں کی سرخی اور سفیدی اور سیاہی مل ملا کر شامِ کشمیر بن گئی ہے۔

عمدہ ناچنے والیوں میں ہے۔ حرکات فتنہ انگیز اور سکنات شوخی آمیز ہیں محفل میں بڑے تکلف سے جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ رقاصہ ہے لیکن پاکیزہ ہے اور اس کا دامنِ عصمت اب تک محفوظ ہے۔ اگرچہ رنگ سیاہ ہے۔ لیکن خوبصورت ہے۔ خدا محفوظ رکھے ؎

خطش نہ کردۂ مانی بہ نقشِ بہزاد است کہ ایں سیاہ قلم کار خوب اُستاد است

پنا بائی } نعمت خاں بین نواز کی مخصوص شاگردوں میں ہے۔ بلبل کی طرح گاتی ہے۔ زندہ لوگ تڑپ جاتے ہیں اور مردے جی اُٹھتے ہیں۔ اس کے گانے کا مد و جزر طلوع ہونے والے آفتاب کی طرح جو بڑھتے اس منزل پہ پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

جس وقت یہ تانیں لگاتی یا اپنے سینے کی آواز سے سُر پیدا کرتی ہے تو نگاہیں اس منظر کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اور کانوں میں تابِ سماعت باقی نہیں رہتی۔

یہ فن موسیقی کی نہ صرف ماہر ہے بلکہ خود راگ راگنیاں اور ساز اختراع کرتی ہے۔ اور صحیح معنوں میں پانی پر لکیر کھینچتی اور ہوا میں گرہ لگاتی ہے۔ سلیقہ مند مہذب، فصیح و بلیغ، سمجھدار، اور آدابِ مجلس سے واقف ہے۔ بات بات پر لطیفہ کہتی، اور مسلسل گل افشانی کرتی رہتی ہے۔ اور پھر ستم یہ کہ ناک نقشہ میں بھی اچھی ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ پنا بائی عیاشی کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ تو اس لئے ہے کہ اس کے نغمے سُنے جائیں اور اس کے کمالِ فن سے حظ حاصل کیا جائے۔ اس کی زیرِ لب مسکراہٹ دیکھی جائے۔ اس کی میٹھی میٹھی باتیں سُنی جائیں۔ دہلی کی ہر مجلس میں بلائی جاتی ہے۔

(نواب صاحب کی طرزِ تحریر کی داد دینی چاہئے۔ ہر تذکرے میں ایک نیا اسلوب بیان ہوتا ہے اور بے جان حالات میں بھی جان ڈال دیتے ہیں۔ حسن نظامی)

کمال بائی } اسم با مسمیٰ ہے۔ باغ خوش نوائی کی طوطی شکر مقال ہے۔ موسیقی میں غایت درجہ مشہور اور باکمال ہے۔ اور رقاصی میں اس کی مشق اور اس کی سلیقہ مندی مسلم ہے۔ انہی کمالات کی وجہ سے وہ سالہا سال بزمِ سلطانی میں نہایت عظمت و شان سے رہی ہے۔ اور بادشاہ کے دل پر بھی اس کا قبضہ رہ چکا ہے۔ لیکن آجکل جبکہ بادشاہ سلامت نادر شاہی سوانحات کی وجہ سے مغموم رہتے ہیں اور ان کو موسیقی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی بادشاہ کی طبیعت گانا سُننے اور سازوں سے دل بہلانے سے بالکل متنفر ہو گئی ہے اور شاہی بزم کے باکمال موسیقی نواز یک قلم برطرف کر دئیے گئے ہیں۔ چنانچہ کمال بائی بھی مجبوراً بزمِ سلطانی سے نکال دی گئی ہے۔ ورنہ اس کا گانا عام لوگوں کے

سُننے میں کب آتا۔ آواز پرسوز ہے اور غم انگیز انداز سے گاتی ہے اور قواعد موسیقی کی پابند ہے مہر ہو غلطی نہیں کرتی۔ نعمت خان کے خیال راگ کو جو شاہِ غازی کی طرف منسوب ہے عمدہ طریقے پر گاتی ہے۔ مشق پختہ ہے، دن و رات مسلسل گانے سے بھی نہیں تھکتی۔ اور حاضرینِ مجلس پیہم فرمائشیں کرتے رہتے ہیں اور یہ ذرا نہیں اُکتاتی آدابِ مجلس اور شوخی میں تمام طوائفوں سے زیادہ ہے۔ بڑا جاذب توجہ چہرہ ہے۔ جب اس کو دیکھو خواہ مخواہ محبت کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اور یہ بہت آسانی سے لوگوں کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کرتی ہے جو لوگ اس کی صحبت سے کبھی مستفید ہوئے ہیں وہی اس کی حقیقی قدر جانتے ہیں۔

(بادشاہ سلامت نے اگر سب کو نکال دیا تھا تو کیا مضائقہ ہے۔ امرار اور عام خلقت نے ان بلاؤں کو سرآنکھوں پر بٹھالیا۔ اور سلطنت خاک میں ملادی حسن نظامی)

اوما بائی نسیم بہار کی طرح ہر چمن محفل میں اٹھکیلیاں کرتی اور تمام شبانہ مجلسوں میں اپنے نغمات کے تارے بکھیرتی رہتی ہے۔ اس کا ذہن ایک گلدستے کی طرح ہے جس سے مشامۂ جاں کو مست کرنے والے نغمات نکلتے رہتے ہیں۔ بذلہ گو رنگین ادا اور کامیاب نقال ہے۔ ہر ادا مرغوبِ خاطر۔ ہر حرکت پسندیدہ اور خرام ناز پر ہر ایک کا دل نثار ہے۔ کبت اور خیال میں بے نظیر ہے۔ اگرچہ وہ طوائف ہے لیکن وفا آشنا اور اُلفت شناس ہے۔

کنور اوما بائی کی نوخیز اور پوٹا سے قد کی لڑکی ہے، اُٹھتا ہوا شباب اور مچلتی ہوئی جوانی ہے۔ ہزاروں کی قاتل ہے۔ میاں محمد ماہ جو عشق بازی کے حکیم ہیں وہ اس کی محبت میں گرفتار ہیں، اور اپنی محبت یعنی کنور کی خوبصورتی کی سند اوما بائی کو دے دی ہے میاں ماہ کے ہاں اکثر محفل منعقد ہوتی ہے جہاں اوما اور اس کی

کنور آتی ہیں اور بڑی پُر لطف صحبت ہوتی ہے۔

(یہ محمد ماہ صاحب کون بزرگ ہیں۔ پہلے کسی تذکرے میں ان کا نام نہیں آیا کوئی پوچھے اب ان کی کنور کہاں ہے؟۔ حسن نظامی)

پنا اور تنو کی مشہور زمانہ طوائفیں ہیں، حسن ستمگار، کمال وجاہت، دولت اور تناسب اعضا میں بے نظیر ہیں۔ بادشاہ کی منظور نظر اور منھ چڑھی ہیں بادشاہ سلامت نے ان دونوں پر بڑی بڑی عنایتیں اور نوازشیں کی ہیں لیکن اب یہ دونوں شاہی بزم سے الگ ہیں اور اپنی دُکان علیحدہ کھول دی ہے۔ بزم کے ہزاروں مشتاق اور دلدادۂ جاناں کے سینکڑوں آرزومندان کے مکان کا طواف کیا کرتے ہیں حُسن۔ رقاصی میں درجۂ اجتہاد تک مشق بڑھائی ہے خلقت ان کے رقص کی شیدا ہے جب مجلس میں آتی ہیں تو ناچ اور گانا شروع ہونے سے پہلے ہی تحسین و مرحبا کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ اور جب ناچ شروع ہوتا ہے تو پھر واہ واہ اور مرحبا کے اتنے فلک شگاف نعرے بلند ہوتے ہیں کہ آسمان لرز جاتا ہے۔ ان کے ناچ و گانے کی رنگینی چمنستان کی بہاریں ہیں۔ اور جب یہ اپنی میٹھی زبان سے گفتگو کرتی ہیں تو محاورات کی کثرت اور فصاحت و بلاغت سے دلوں پر نشتر سے لگتے ہیں ان کی نزاکت اور ادائیں اور طرفہ ہے۔ ناچتے وقت ان کے پیروں کی حرکت اور ہاتھوں کی جنبش کے ساتھ تماشائیوں کے دلوں کی دنیا بھی زیر و بم ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر شخص پر وجد و حال کی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔

جو لوگ موسیقی اور ناچ کے دلدادہ ہیں اُن کو اِن کے ناچ و گانے سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ اور جو ان کے حُسن کے اسیر ہیں وہ ہر وقت محو نظارہ رہتے ہیں اور پھر بھی سیری نہیں ہوتی۔

خصوصیت سے پنو بڑی چنچل اور کافر ادا ہے۔ اس کی آنکھوں میں مار ڈالنے والا

زہر اور لبوں میں زندہ کرنے والا افسوں ہے۔ ساری دہلی اس کی دیوانی اور اس کی محبت میں مستانی ہے۔

غرض حسینوں میں انتخاب، ناچنے والیوں میں شہرۂ آفاق، اور موسیقی دانوں میں باکمالِ وقت ہے۔ اور پنا اور تنو دونوں میاں محمد ماہ کی صفِ معشوقی میں داخل ہیں۔ اور گویا ماہ صاحب نے ان کو بھی سند دی ہے۔ ماہ صاحب کی مجلسوں میں یہ دونوں آتی ہیں۔ اور دل و دماغ پر اس طرح مسلط ہوتی ہیں کہ ان کے سوا زندگی کی ہر چیز ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

آج میں اُس عیش رفتہ کو یاد کر کے ہی لطفِ عیش حاصل کر رہا ہوں۔ بڑی تمنا ہے کہ ان باکمالوں کی مجلس میں پھر شرکت کروں۔ لیکن اب وہ ساز و سوز کے مزے کہاں؟ اک خیالی لطف باقی رہ گیا ہے ؎

رفتیم و نہ رفت حسرت از دل
چوں آئینہ ایم جلوہ بسمل

درگاہ قلی

•—‹ * ›—•

نواب درگاہ قلی خاں بہادر نے یہ تذکرہ اس طرح ختم کیا کہ انشا پردازی کی پیاسی آنکھیں العطش العطش کہتی رہ گئیں۔ پنا اور تنو اور میاں محمد ماہ کے ذکر کو اس طرح لکھا کہ بے اختیار سبحان اللہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ فارسی زبان میں ایسے مضامین ادا کرنے کی بہت گنجائش ہے، اور نواب صاحب نے فارسی ہی میں ان کو لکھا ہے۔ اُردو ترجمے میں فارسی کی شیرینی اور فارسی کے چٹخارے کہاں آسکتے ہیں۔ مولانا ذبیح صاحب ترجمے کے میدان میں نو مشق ہیں اور اُردو بھی ان کے قابو میں نہیں ہے اس لئے میں نے ترجمے کی نظر ثانی کی تو بند شوں اور فقروں اور

محاوروں کو اتنا بدلا اور اس قدر کاٹا کہ عبارت ہی بدل گئی۔ مگر نفس مطلب کو خبط ہونے سے بچاتا گیا۔ کیونکہ اصل فارسی کتاب میرے سامنے تھی اور میں اس کو ترجمے سے ملاتا جاتا تھا۔ بعض طویل اور بے نتیجہ یا خلاف تہذیب حصوں کو خارج بھی کر دیا۔ بلا اصل مضمون میں اپنی طرف سے کچھ بڑھایا نہیں۔ حواشی لکھنے میں بعض مقامات پر نواب صاحب کی نسبت بھی میرے قلم سے ایسے الفاظ نکل گئے ہیں جو مناسب نہیں تھے۔ تاہم نواب صاحب نے جس زمانے کی تصویر دکھائی ہے اُسکو دو سو برس گزر گئے اور تہذیب و تمدن کا معیار بھی بدل گیا۔ اُس وقت جو عیب تھا آج ہنر ہے اور جو ہنر تھا آج عیب ہے۔ بہر حال نواب صاحب کا یہ تذکرہ اس قابل ہے کہ مسلمانوں کی مرحوم تہذیب کا مرقع سمجھ کر ہر مسلمان اپنے پاس رکھے اور جب ہنستے ہنستے جی بھر جائے تو اس کو دیکھ کر اپنی فنا شدہ بزم کو یاد کر کے دو آنسو بہا لیا کرے۔ بس آج کی رات یہ کہانی ختم ہوئی کل کی کل دیکھی جائیگی:

حسن نظامی

یہ ۱۹۵۰ء کی دہلی ہے

نواب درگاہ قلی خاں بہادر کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ کئی سال ہوئے نایاب ہو گیا تھا اور میں نے اُس کو اس لئے دوبارہ نہ چھپوایا تھا کہ مجھے دو سو برس پہلے کی دہلی کے شرمناک حالات شائع کرنے سے شرم آتی تھی۔ اور نواب یوسف علی سالار جنگ نے بھی میرے نوٹوں سے ناخوشی ظاہر کی تھی۔ جنہوں نے اپنے دادا کی اصل فارسی کتاب شائع کی تھی۔ اس لئے میں نے اس کتاب کو دوبارہ نہ چھپوایا۔ مگر جب ہندوستان کا از سر نو پایہ تخت بنی تو میں نے چاہا کہ اس کتاب کو شائع کر دوں۔ تاکہ پرانی دہلی اور نئی دہلی کا مقابلہ ہو سکے۔ مگر آزادی ملتے ہی دہلی میں قتل عام شروع ہوا۔ اور ایسی بے رحمی اور سفاکی سے خونریزی ہوئی کہ اُس کا لکھنا آسان نہیں ہے۔ میں دو مہینے تک اپنے گھر میں

بیٹھا انقلابی جھولے میں جھولتا رہا میرے سب بیوی بچے حیدر آباد میں تھے۔ اس لئے میں بھی اپنے بڑھاپے کی زندگی کو انقلابی خلجان سے بچانے کے لئے حیدر آباد چلا گیا اور وہاں ایک برس آٹھ مہینے ٹھہرا رہا اُسی زمانے میں وہ سلطنت بھی زیر و زبر ہوئی جس کے مورث اعلیٰ آصف جاہ اول کے ساتھ نواب درگاہ قلی خاں نادر شاہی قتل عام کے وقت حیدر آباد سے دہلی میں آئے تھے۔

حیدر آبادی انقلاب بھی دہلی کے انقلاب سے کم نہ تھا۔ حیدر آبادی انقلاب کے بعد نواب سالار جنگ بہادر نے وفات پائی جو پرانی کتابوں اور پرانے ہتھیاروں اور پرانے جواہرات اور ہر قسم کی پرانی یادگاروں کے مالک تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں بھی ان کے دادا نواب درگاہ قلی خاں کی کتاب کو شائع نہ کروں گا تو یہ کتاب بھی ایسی ہی نیست و نابود ہو جائے گی جیسی کہ نواب سالار جنگ کے گھر کی پرانی یادگاروں کی نسبت اہل علم کو اندیشہ ہے اس لئے میں نے جون ۱۹۴۹ء میں حیدر آباد سے واپس آ کر اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن لکھوانا شروع کیا۔ یکایک حکومت دہلی نے میری زبان بندی کا حکم دیا کہ تم نہ کسی جلسے میں جا سکتے ہو نہ کوئی تحریر شائع کر سکتے ہو نہ پانچ آدمیوں سے زیادہ سے ملاقات کر سکتے ہو۔ اس لئے تین مہینے کی اس قید کے سبب اس کتاب کی اشاعت بھی ملتوی رہی۔ قید سے رہا ہوا تو پھر انگڑائی لے کر اور جمائی لے کر ارادہ کیا کہ زندگی کی رات ختم ہونے والی ہے۔ اپنے سب ادھورے کاموں کو پورا کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ یہ دوسرا ایڈیشن شائع کر دیا۔

بہت سے دہلی نامے!

آج کل کی دہلی میں میرے خاندان کے سوا اور کوئی پرانا خاندان

دہلی میں نہیں ہے کیونکہ میرا خاندان سلطان غیاث الدین بلبن ترک سہنشاہ کے وقت سے دہلی میں ہے۔ اس واسطے مجھے شوق ہے کہ میں اپنے بڑے دادا حضرت مولانا خواجہ سید بدالدین اسحاق۔ غزنوی کے وقت سے لے کر اپنے وقت تک کی دہلی کے حالات جہاں تک مل سکیں جمع کرکے شائع کردوں اسی شوق کے سبب میں نے آخری مغل بادشاہ بہادرشاہ کے وقت کی سترہ کتابیں شائع کی ہیں اور اب ارادہ کیا ہے کہ اسپین کے مشہور سیاح ابن بطوطہ نے سلطان محمد تغلق کے وقت میں دہلی کے جو حالات لکھے تھے ان کو ابن بطوطہ کے دہلی نامے کے نام سے شائع کروں اور اس کے بعد بابر۔ ہمایوں۔ شیرشاہ۔ اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں کے وقت کے دہلی نامے مرتب کروں۔ اورنگ زیب کے پوتے محمد شاہ رنگیلے کے وقت کا یہ دہلی نامہ آپ نے پڑھ لیا۔ اب عالمگیر ثانی اور شاہ عالم اور اکبر ثانی کے وقت کے دہلی نامے تیار کر رہا ہوں۔ اور سرسید کا لکھا ہوا دہلی نامہ چھپوا رہا ہوں۔ اس کے بعد اپنی زندگی میں جو حالات دہلی کے دیکھے ان کو شائع کروں گا۔ چنانچہ ۱۹۱۷ء کا دہلی نامہ تیار ہو گیا ہے اس کے بعد ۱۹۱۸ء سے ۱۹۵۰ء تک کے دہلی نامے شائع کروں گا۔ اور اگر مر گیا تو میرے جانشین میرے اس منصوبے کو پورا کریں گے۔ اور یقین ہے کہ خدا میری مدد کرے گا۔

(حسن نظامی)

۲ اپریل ۱۹۵۰ء مقام دہلی۔ درگاہ شریف

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)